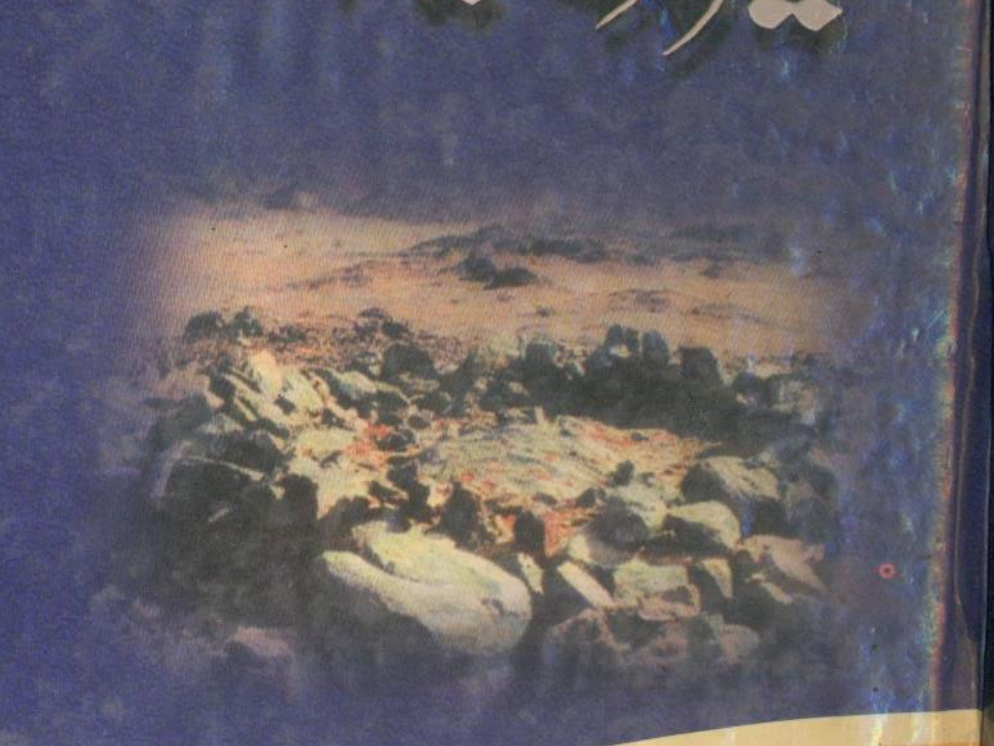
سیرتِ سیّدہ آمنہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا



تصنیف

ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن الشاطی

ترجمہ

الاستاذ ظفر اقبال کلیار

جہانِ تازہ کی ہے افکارِ تازہ سے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

علم اور مطالعہ میں وسعت اور صاحبانِ علم و عرفان کی صحبت ہی انسان کی خفتہ صلاحیتوں کی بیداری کا ذریعہ ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنے اندر علمی روایات کی ترویج و ترقی کا اہتمام کرتی ہیں۔ علمی اور فکری طور پر زندہ اور متحرک اقوام ہی ہر دور میں دنیا کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ ''زاویہ'' علم کی ترویج و اشاعت کا عزم لے کر معرضِ وجود میں آیا ہے۔ (ایسے علم کی اشاعت جو انسانیت کیلئے ''نافع'' ہو)۔ وحی الٰہی سے مستنبط علوم ہی انسانیت کے لئے نافع ہیں۔ تاریخ انسانیت شاہدِ عادل ہے کہ فطرتِ انسانی کی اصل احتیاجات صرف ''علم الوحی'' سے ہی پوری ہوسکتی ہے۔ اور یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ الوحی (قرآن وسنت) کے حقائق ، اسرار و رموز اور اس کی اصل روح کو جس طرح صوفیاء کرام نے سمجھا ہے، کسی اور نے نہیں سمجھا۔ ''زاویہ'' شرق اوسط میں ''خانقاہ'' کو کہا جاتا ہے۔ صوفیوں کے یہ خلوت کدے ''رہبانیت'' کا استعارہ نہیں تھے بلکہ نفسانی خواہشات اور دنیاوی رنج و تعب سے کنارہ کش ہوکر تمدن آفرینی، تہذیب گری اور انسان سازی کے بنیادی ادارے تھے۔ "زاویہ" اسی روشن اور درخشندہ روایت کے احیاء کی حقیر سی کوشش ہے۔ توفیق اللہ ربّ العزت کے ہاتھ میں ہے۔ ''زاویہ'' کے زیرِ اہتمام ''تحقیق، تدوین، اور ترجمہ کا شعبہ قائم کردیا گیا ہے۔ ان شاء العزیز معیاری اور دیدہ زیب کتب منظرِ عام پر آتی رہیں گی۔ ....

زاویہ نشین

محمد رضا صدیقی

ناشر : "زاویہ انٹرنیشنل" والٹن روڈ، لاہور کینٹ
زیرِ اہتمام : "زاویہ" نورِ کرم منزل C-8 دربار مارکیٹ لاہور
تقسیم کار: " مکتبہ زاویہ" 10 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
" مکتبہ زاویہ" خالد ایجوکیشنل سنٹر، اردو بازار لاہور
زاویہ
(042)7117152-7113553-7244157
zaviafoundation@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیرتِ سیّدہ آمنہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدۂ ماجدہ کی حیاتِ مبارکہ کا تذکارِ جمیل
آپ کی شخصیت، خاندان، اوصاف اور سیرتِ پاک پر
ایک خوبصورت اور جامع تحریر

تصنیف

ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمٰن الشاطی

ترجمہ

الاستاذ ظفر اقبال کلیار
فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

زیر اہتمام

محمد رضاء الدین صدیقی

زاویہ

c-8 دربار مارکیٹ لاہور

اشتراک تعاون

کرنل (ر) ڈاکٹر راجہ محمد یوسف قادری

بانی

شان میراں ٹرسٹ

A-177 شادمان۔ لاہور

نوٹ:- اس کتاب کے جملہ محاصل زاویہ فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) کے علمی وتحقیقی مصارف کیلئے وقف ہیں۔

سال اشاعت	تعداد	ہدیہ
۲۰۰۴ء	550	80

مرکز ترسیل

مکتبہ زاویہ

(۱) 10 مرکز الاولیس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ لاہور۔فون 042-7117152

(۲) خالد ایجوکیشنل سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور۔فون 042-7244157

فہرست مضامین

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی جناب میں عرضداشت

اے (مشفق ومہربان) ماں ''آمنہ''!

میں نے تیرے اکلوتے اور محبوب بیٹے کی بشریت کے بارے آسمانی وحی اور اللہ تعالیٰ کے اس مشہور فرمان اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُم '' سُبْحَانَ رَبِّی هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَراً رَسُوْلاً'' کی تلاوت کی تو فوراً میرے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ ہمارے (رؤف ورحیم) نبی محمد مصطفیٰ ﷺ ایک بشر ہیں جنہیں آپ نے بحالت جنین اپنے شکم پاک میں سنبھالے رکھا اور نوع بشر کی دوسری ماؤوں کی طرح ان کی دنیا میں آنے کی صورت مہیا کی۔

اور میں نے تیرے بے مثال بیٹے کے بارے اس ارشاد خداوندی ''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالاً'' کے معنی میں غور وخوض کیا تو میرے اندر سے کوئی کہہ اٹھا: تمام برگذیدہ رسولوں کو ماؤں ہی نے جنا ہے بلکہ ہر زمانے میں ہر بطل جلیل ماں ہی کی وساطت سے دنیا میں تشریف فرما ہوا ہے وہ عورت ہی تو تھی جس کی طرف کلمہ اللہ القاء ہوا اور عورت ہی نے نبی آخر الزمان ﷺ کو جنم دینے کی سعادت حاصل کی۔

تیرے اکلوتے کی یہ آواز ''میں اس قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت کے خشک ٹکڑے کھایا کرتی تھی'' ابدالآباد تک کائنات میں گونجتی رہے گی، ملوک وجاہ پرستوں کی بڑائی کو خاک آلود کرتی اور تیری ممتا کو افق کی ان رفعتوں تک پہنچاتی رہے گی جہاں جاہ وجلال اور سروری وسرافرازی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اے پاک نہاد و پاک طینت خاتون! اے مادر مشفق! اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی انسیت کی وجہ، ان کی انسانیت کی روح، ان کی محبت کی نشانی اور ان کی جلالت اور عزت کی جگہ تو ہی قرار پائے گی۔

اے مادر مشفق آمنہ"! تیری ممتا کی بزرگی نے کائنات کو تحائف زندگی دیے واقعات تاریخ کو ازل سے ابد تک کیلئے زندہ جاوید کر دیا۔ اور تیرے نابغہ روزگار فرزند نے اپنے اس فرمان عالیشان کے ذریعے ازلی وابدی سعادتوں کا آسمانی تاج ماں کے سر پر سجا دیا۔

"اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ"

"جنت ماؤوں کے قدموں میں ہے"

وہ تیری نسوانیت کا فخر ہی ہے، جس نے کائنات میں سر وجود کی حفاظت کی اس دنیا میں حیات انسانی کو بچایا۔ اور بشریت کو کروٹ کروٹ سنبھالا دیا۔

وہ کیا ہی عمیق شعور تھا جس نے تیرے بیٹے کے دل کو بھر دیا کہ جب کسی شخص نے پوچھا کہ میرے حسن خلق کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے تو انہوں نے فرمایا تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں۔ پھر تیرا باپ اور جب ایک صحابی حاضر خدمت ہوا کہ رضائے خداوندی اور اخروی کامیابی کے لیے جہاد کرنا چاہتا ہوں اور انہیں معلوم ہوا کہ اس کی ماں زندہ ہے تو فرمایا۔ "خانہ خراب! اپنی ماں کے قدموں میں جا بیٹھ۔ جنت وہیں ہے"

اے ماں "آمنہ"

آج میں تیری ممتا کی بزرگی اور نسوانیت کی عزت پر بات کرنے لگی ہوں۔ میں ماؤوں کی اس سردار کے بارے کچھ کہوں گی جس نے اپنے اکلوتے بیٹے کے ذریعے انسانیت پر بڑا احسان فرمایا اور لاکھوں لوگوں کو اس قابل بنایا کہ وہ اس کا جھنڈا ارجائے عالم میں بلند کیے رکھیں۔

یتیم ایسا کہ جس کی بدولت آباؤ اجداد اپنی بزرگی اور بادشاہی کے باوجود باعزت ٹھہریں۔

فقیر ایسا کہ دنیا کے ٹھکرائے ہوئے انسانوں میں مسرت وشادمانی کی خیرات تقسیم کریں۔

اے ماں اگر تو تاجدار ملکہ ہوتی، بہادر گھوڑ سوار ہوتی ذہن رسا کی مالک عالمہ فاضلہ ہوتی یا ایک جنگجو سپہ سالار تو کچھ بھی ہوتی وہ عزت ہرگز نہ پا سکتی جو محمد ﷺ کی والدہ ہو

کر تجھے حاصل ہوئی ہے۔ اے ماں! اس سے زیادہ میرے لیے عزت وعظمت کا سبب اور کونسا عمل ہو سکتا ہے کہ تو نے اس چنیدہ قائد کو جنم دینے کی سعادت حاصل کی۔

ہاں میں تیری سیرت طیبہ کے سامنے حیران وششدر کھڑی ہوں۔ تیری امومت کے انوار وتجلیات نے میرے گرد وپیش کو روشن کر رکھا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ تیری طرف زیادہ دیر تک دیکھوں گی تو تیرے جلال سے میری نظریں خیرہ ہو جائیں گی۔ اور تیرے بارے میری زبان گنگ ہو جائے گی۔ میں بس اتنا کہوں گی کہ تو محمد مصطفیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ ہے جنہوں نے یہ کہہ کر کہ میں بشر ہوں بشریت کو عزت وتوقیر بخشی۔ اور ہمیں آپ کی عظمت اور راز جاودانی سے آگاہ کیا۔

آپ کی سیرت اور اس کے مصادر

اگرچہ سیدہ آمنہ بنت وہب کی سیرت کا اہم ترین ماخذ سیرت طیبہ ہے لیکن آپ کی آباؤ اجداد (مرد وزن) کی زندگی کے وہ واقعات جن کو تاریخ نے یاد رکھا۔ اس ماحول کا مزاج جس میں آپ نے پرورش پائی اور تاریخ ۱۲ سے ہمارے لیے محفوظ رکھا۔ اس خاندان کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں عورت کی امومت اور نسوانیت کی جو خاص تصویر بنتی ہے، عادات وخصائل نسل در نسل چلنے والے رویے اور ایسی بہت ساری چیزیں ہیں جن سے آپ رضی اللہ عنہا کی حیات طیبہ پر گہری روشنی پڑتی ہے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت طیبہ پر قلم اٹھاتے وقت یہ بات میرے ذہن میں تھی کہ آپ کے بارے مرویات اور مصادر ناکافی ہیں۔ مگر میں یہ بھی جانتی تھی کہ میں کسی عام عورت کا تذکرہ نہیں کر رہی بلکہ ایک ایسی عورت کی سیرت طیبہ قلم بند کرنے لگی ہوں جسے محمد ﷺ کی والدہ ماجدہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اور محمد رسول اللہ ایک برگزیدہ محتشم بالشان رسول ہیں جو نہ صرف اپنی قوم کے سرتاج اور فخر ہیں بلکہ اللہ کے محبوب اور پوری مخلوق میں افضل واعلیٰ ہیں آپ کی سیرت طیبہ کے خدوخال آپ کے بیٹے کی حیات طیبہ سے بآسانی حاصل کیے جاسکتے ہیں کیونکہ آپ کو ان کی ماں ہونے کی شرف

حاصل ہے۔ آپ کا بطن مبارک ان کی مسکن، آپ کا خون ان کی غذا رہی اور آپ کی زندگی کے شب وروز اللہ تعالیٰ کی محبوب کی زندگی کے شب وروز سے متصل رہے۔ محمد ﷺ وہ عظیم نشانی ہیں جن کو حضرت سیدہ آمنہ نے اپنے پیچھے چھوڑا۔ اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں میں ان کی اس نشانی کی روشنی میں دیکھوں اور ان کے عظیم بیٹے کی سیرت کو سمجھنے کی صلاحیت سے ان کی سیرت کو اجاگر کروں۔

اور حضور ﷺ کی حیات طیبہ کی روشنی میں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کا مطالعہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ایک ماحول اور وراثت کی عطاء ہیں۔ ان کی رگوں میں اسلاف کا خون جاری وساری ہوا اور ان عوامل نے آپ کی پرورش کی جو ایک خاص خصلت اور مزاج کے پیدا کردہ تھے اور ہر دور میں عرب دنیا میں نسل در نسل منتقل ہو رہے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک محقق سکالر آپ کے خاندان، معاشرے اور علاقائی روایات کا مطالعہ کر کے آپ کی زندگی کے شب وروز اور آپ کے محامد ومحاسن کو بخوبی تلاش کر سکتا ہے کئی لوگ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی حیات طیبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے معجزانہ اور تعجب آمیز اسلوب اپناتے ہیں اور آپ کی شخصیت کو ایک مافوق الفطرت حیثیت دے دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں جنہوں نے بعثت ورسالت کے اصولوں میں سے بشریت کو ایک اصول قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ خود بھی قطعاً یہ گوارہ نہ فرماتے کہ ان کی والدہ ماجدہ کو مافوق الطبیعت کوئی حیثیت دی جاتی اور ان کی ذات کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کی جاتی جو الٰہی سنت سے ہٹ کر ہوتی جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ یا ان کی شخصیت میں ایسی رنگ آمیزی کی جاتی جو ان کے بیٹے کو ایک ایسی عجیب مخلوق بنا دے کہ گویا ان کی پرورش ان کے خاندان نے نہیں کی اور نہ ہی وراثت و ماحول کا ان کے پروان چڑھنے میں کوئی عمل دخل ہے۔

اگرچہ حضرت سیدہ آمنہ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کیلئے میں نے آپ کے آباء واجداد کی سیرت کا سہارا لیا اور کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ وہ چیزیں سامنے لاؤں جن کا ماحول اور خاندانی روایات سے تعلق ہے اور تحقیق کے میدان میں جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے واقعات بھی لائی ہوں جو نہ تو ان کے آباء واجداد سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی عربی رسم ورواج سے متعلق ہیں۔

یہ وہ روایات ہیں جن سے کئی پڑھنے والے جان بوجھ کر صرف نظر کر جاتے ہیں ان کے خیال میں ایسی تمام روایات وضعی اور وہم وگمان کی پیداوار ہیں۔ وہ ان کی دلالت اجتماعی سے بے بہرہ اور بے خبر رہتے ہیں جو جھوٹ پر مبنی نہیں ہوتی۔ اور پڑھنے والے کو ایسی روشنی مہیا کرتی ہے۔ جس کے ذریعے وہ تاریخ سے بہت آگے جہان باطن میں جھانک سکتا ہے اور یوں وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ ان اخبار وواقعات کو تکمیل بخشے جو معاشرے کی طبیعت کو سمجھنے کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

ایسی تمام روایات ہمیں ان لوگوں کی وساطت سے ملی ہیں جو آپ کو رسول اللہ ﷺ کی ماں ہونے کے ناطے ایک کامل شخصیت کے روپ میں دیکھتے ہیں۔ اور اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ گفتگو وجدانی معلومات پر مبنی ہوتی ہے۔ اور وجدان اور عشق کی زبان سے کبھی جھوٹ، فریب صادر نہیں ہوتا۔

اہل علم کو بہر حال یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسی روایات کو قابل اعتناء خیال نہ کریں وہ کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق کے میدان میں وجدان، قلبی کیفیات محبت اور ایمان کی باتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہاں تو واقعات سے استدلال کر کے منطقی نتائج تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ کیونکہ ایک عقل کے گھوڑے پر سوار ہے۔ واقعات کی کڑیاں ملا کر نتائج حاصل کر رہا ہے اور دوسرا جذبات اور ایمان کی زبان میں گفتگو کر رہا ہے۔ یقیناً ان دونوں کی گفتگو ایک جیسی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح جب علم وفن ملتے ہیں تو سچ اور حق سے ناانصافی نہیں برتتے انہیں کذب کی تہمت نہیں دی جا سکتی۔ جب ایک تاریخ نگار حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

بارے وراثت، معاشرت، اس وقت کے رسوم ورواج اور اصول زندگانی کی روشنی میں بات کرتا ہے تو اس کی بات مبنی پر حقیقت ہوتی ہے ہم اسے جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ اور جب ایک عقیدت مند، محبِ صادق وجدان کی زبان میں بات کرتا ہے۔ اس عظمت کی بات کرتا ہے جو اس کے شعور میں ہے۔ حضرت آمنہ کی اس صورت کو سامنے لاتا ہے جو اس کے تخیل میں ہے۔ تو وہ بھی حق بجانب اور سچا ہے ہم اسے جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ تاریخی واقعات سے بالکل ناانصافی نہیں کر رہا۔ کیونکہ وہ تو اس میدان کا آدمی ہی نہیں۔ وہ ایک اور جہان کی بات کر رہا ہے۔ وہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بارے اپنے قلبی جذبات واحساسات کی بات کر رہا ہے۔ وہ اس تصویر کو سامنے لا رہا ہے جو اس کے شعور میں موجود ہے۔

وہ ان عظمتوں کا مفسر ہے جو اس کے وجدان میں ظاہر وباہر ہیں وہ آپ کی بطالت وشجاعت کا اظہار کرتا ہے تو یہ اس کے عشق کا تقاضا ہے آپ کے حسن وجمال اور جلال ورعب کی گفتگو قطعاً جھوٹ نہیں۔ اس نے بصیرت کی نگاہ سے انہیں دیکھا ہے اور شعور کی نظر سے ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہاں یہ دنیا الگ ہے۔ اور اس دنیا میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ خود ہی بصیرت کی نگاہ سے اس دنیا میں ہر ایک چیز کا ایک جداگانہ عکس دیکھتا ہے۔ عام لوگوں کی اس دنیا تک رسائی نہیں عقل جتنی ترقی کرے۔ جس قدر دور نکل جائے۔ کتنی ہی فتوحات حاصل کرلے عالم وجدان کے افق تک رسائی حاصل کرنا اس کے بس کا روگ نہیں۔

اس تمہیدی گفتگو سے میرا نقطہ نگاہ سامنے آجاتا ہے کہ میں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تمام روایات کو لینا چاہتی ہوں اور صرف ثابت شدہ تاریخی واقعات پر اکتفاء نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ ثابت شدہ تاریخی واقعات کی نسبت دوسری روایات کے ذکر کا زیادہ اہتمام کرنا چاہتی ہوں جن کو ایک محقق علم کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو ناپسند کرتا ہے یا تحقیق کے کانوں سے سن کر اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ اور ظاہری دنیا سے ماوراء عالم باطن کو بھول جاتا ہے جس پر دوسرے لوگ یقین رکھتے ہیں۔ محققین حضرت آمنہ کی شخصیت کی اس تصویر سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے جس کو روحانیات کی دنیا کے لوگوں نے سوچا ہوتا ہے اور اپنی کیفیات کی زبان میں اسے بیان کیا ہوتا ہے۔ حضرت آمنہ کی اس وجدانی تفسیر کو بیان

کرنے میں وہ سچے ہیں کیونکہ انہوں نے عقیدت ومحبت میں ان کی شخصیت کا ایک عکس اپنے ذہنوں میں بٹھایا اور پھر اسے بے کم وکاست کہہ دیا۔

میں نہیں سمجھتی کہ ایک مؤرخ جس نے اپنی زندگی تحقیق کے میدان میں گزار دی ہو ان تمام چیزوں کو بالائے طاق رکھ کر آپ کی شخصیت کو سمجھ سکے یا یہ گمان کرے کہ وہ خود یا دوسرے لوگ آپ کی شخصیت کو سمجھنے کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس دور کے لوگ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں ان کے ذہنوں میں آپ کی ذات کی تصویر کیا ہے مرور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کیا تبدیلی آئی۔

آپ کی شادی، حمل، وضع حمل اور امومت کے واقعات کو بعض محدثین اساطیر الاولین کی حیثیت دیتے ہیں۔ ایک مؤرخ کے نزدیک آپ کی زندگی گویا ایک تصور ہے جو اس وقت کے لوگوں کے ذہن میں تھا اور بعد والوں نے اسے لفظوں کی زبان دے دی۔ اس تصویر کے ذریعے ان کی بیان کردہ تفسیر، آپ کے حیات طیبہ کے عناصر اور آپ کی شخصیت کے ذاتی تجزیہ کو بیان کرتی ہے۔ اور ایک مؤرخ بھلا ایسی روایات سے مستغنی کیسے ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد کہ میں نے قاری کو اپنی بات سمجھنے کے قابل بنالیا ہے اب میں آپ کی سیرت کو سمجھنے میں اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرنے کی قدرت رکھتی ہوں۔

سب سے پہلے میں اس دور کی معاشرت، ماحول، عرب طرز حیات رویوں اور اس دور کی زندگی کے بارے گفتگو کروں گی تاکہ اس کی روشنی میں آپ کی قابل یقین و اطمینان سیرت کو بیان کرسکوں۔

دوسری چیز جس کا اس ضمن میں میں نے خاص طور پر اہتمام کیا ہے وہ ایسی روایات ہیں جنہیں عام طور پر لوگ قابل توجہ نہیں سمجھتے اور خصوصاً اجنبی جو انہیں قصے کہانیوں کا نام دیتے ہوئے خوش ہوتے ہیں ایسے واقعات کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں ان میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت طیبہ کا عکس پاتی ہوں۔ اور آپ کی حیات طیبہ کے کئی مخفی گوشے عیاں دیکھتی ہوں۔ مثلاً تاریخی واقعات کی وہ صورت جوان لوگوں کے ذہن میں تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں زندگی گزاری۔ یا آپ کے

کسی لحاظ سے ساتھ رہے اور آپ کے بارے کچھ بیان کیا۔ ایسے واقعات کو اچھی طرح سمجھنا میرے لیے آپ کی شخصیت کو بیان کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔ مثلاً سیدہ کے خواب، بچے کی پیدائش کے بارے آپ کے دلی جذبات اور امیدیں۔ یہ تمام چیزیں جو خالصتاً روحانی چیزیں ہیں میدان تحقیق میں انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن ہمارے سامنے بہر حال ان کے مطالعہ سے ایک تصویر آتی ہے جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی امومت اور حیات کو واضح کرتی ہے۔ یہ بھی تاریخ ہی کا ایک حصہ ہے اگرچہ بعض اوقات یہ چیزیں انسانی سوچ کی پیداوار ہوتی ہیں لیکن انہیں قبول کرنا تاریخی واقعات کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوتی بلکہ یہ چیزیں ان واقعات کی اصل صورت کو جلا بخشتی ہیں اور ان کے چہرے سے نقاب کشائی کا سبب بنتی ہیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بحیثیت عورت اور ماں

انا ابن العواتک من سلیم. (الحدیث)

اس سے پہلے کہ میں تاریخ کے بڑے بڑے واقعات بیان کروں میں چاہتی ہوں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عہد میں جزیرہ عرب میں ماں کے مقام و مرتبہ کے بارے کچھ کہوں۔

کیونکہ ہمارے درمیان یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ عورت اپنے بہترین حالات میں بھی مرد کے لیے ایک متاع کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور اس پر ظلم و جور روا سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے آ کر اسے اس ظلم سے نکالا اور اسے باعزت مقام دیا۔ اس کے برعکس ہم تک ایسی خبریں بھی نقل ہوتی آئی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی خاتون کو زمانہ قبل از اسلام میں ایک عزت و احترام کا مقام حاصل تھا جو مرور وقت کے ساتھ برقرار رہا۔ مگر ایسی روایات ہمارے درمیان رواج پذیر نہ ہو سکیں۔ جیسا کہ ظلم و ستم کی روایات رواج پذیر ہوئیں۔ مثلاً بچیوں کو زندہ درگور کرنا۔ سوتیلی ماؤں کا وراثت میں بچوں کے ہاتھ آنا اور اس

قسم کے جور و ستم پر مبنی دوسرے بہت سارے واقعات۔

ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہم ہی عہد گذشتہ کی عربی خاتون سے انصاف برت رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ آئمہ مؤرخین اور قدیم راویوں نے اس کے بارے اخبار و آثار نقل کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ ہمارا کام بس اتنا ہے کہ ان کے مدون کردہ واقعات سے کچھ ایسے واقعات بیان کریں جو ہمارے نزدیک قبل از اسلام کی عورت کی نسوانیت اور امومت کو صحیح بیان کرتے ہیں۔ ہم ظلم و جور اور ذلت و رسوائی کے ان تمام واقعات کو چھوڑ دیں گے جو اس ضمن میں مشہور ہیں۔ صرف ان واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا کریں گے جن میں عورت کی تکریم اور عزت کا عکس نظر آتا ہے اور جس عزت کی حفاظت خون نے کی اور جس کے لیے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا گیا۔

امومت سے متعلق ایسے واقعات کو ذکر کرنے کا اصل مقصد ایسی روشنی حاصل کرنا ہے جو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو خاتم النبیین کی ماں ہونے کے حوالے سے ظاہر کرے۔ اور اپنے اس لافانی فرزند کی تکوین میں آپ کا کردار نمایاں ہو جائے۔ جنہوں نے اپنی ماؤں کے معزز ہونے کی گواہی ان الفاظ میں دی۔ **انا ابن العواتک من سلیم**

قدیم عربوں کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والا شخص بخوبی جانتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ کرامت نسب اور حفاظت اصل کے بہت حریص تھے۔ ان کے ایک دانا اکثم بن صیفی نے کہا تھا:

لا یفتننکم جمالُ النساء عن صراحة النسب فان المناکح الکریمة مدرجة الشرف

"عورتوں کی خوبصورتی تمہیں نسب کے خالص ہونے سے بھٹکا نہ دے کیونکہ پاکیزہ بیویاں ہی شرف کا معیار ہوتی ہیں۔"

ایک اور عرب شاعر کہتا ہے: (۱)

وَاَوَّلُ خُبثِ الْمَاءِ خُبثُ تُرَابِہٖ   وَاَوَّلُ خُبثِ الْقَوْمِ خُبثُ الْمَنَاکِحِ

(۱) ابن قتیبہ عیون الاخبار ۳/۴ ط دار الکتب

"پانی کی خرابی کی ابتداء خراب مٹی سے ہوتی ہے۔ اور قوم کی خرابی بیویوں کی خرابی سے شروع ہوتی ہے۔"

ابوعمرو بن العلاء جو قابل حجت، ثقہ راوی ہیں اور سات مشہور آئمہ قرات میں سے ایک ہیں ایک عرب کے بارے بیان فرماتے ہیں کہ اس نے کہا: میں اس وقت تک کسی عورت سے شادی نہیں کروں گا جب تک اس کے بطن سے ہونے والی اپنی اولاد نہیں دیکھ لوں گا۔

اس سے پوچھا گیا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ کہنے لگا۔ میں اس عورت کے والدین کو دیکھ کر اپنے ہونے والے بچوں کا اندازہ لگاؤں گا۔ کیونکہ بچہ ماں باپ میں سے کسی ایک کے عادات واطوار کا عکس لیے ہوتا ہے۔

ایک عرب نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

میں نے تمہارے ساتھ بچپن، جوانی اور قبل از پیدائش احسان کیا ہے انہوں نے پوچھا ہماری پیدائش سے پہلے ہم سے احسان؟ یہ کیسے ممکن ہے۔ کہنے لگا میں نے تمہارے لیے ایسی ماؤوں کا انتخاب کیا جن کی وجہ سے تمہیں گالی نہیں سننا پڑیں گے۔(۱)

الریاشی اپنے بیٹوں سے ایسی ہی گفتگو شعر کی زبان میں کرتا ہے۔

وَ اَوَّلُ اِحْسَانِیْ اِلَیْکُمْ تَخَیُّرِیْ لِمَاجِدَۃِ الْاَعْرَاقِ بَادٍ عِفَافُھَا

میرا پہلا احسان تم پر اعلیٰ نسب کی ماں کا انتخاب ہے جس کی عفت و پاکدامنی ظاہر و باہر ہے۔

شاید کرامت نسب کی یہ حرص ہی تھی جس نے ان کے دلوں میں غلامی اور قید کو انتہائی مکروہ بنا دیا تھا۔

کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت الخرشب جب دشمن کے ہاتھوں قید ہوئی اور اسے ھودج میں بٹھایا گیا تو اس نے اپنے آپ کو گرا دیا اور خودکشی کر لی مرتے وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

اَلْمَنِیَّۃُ وَلَا الدَّنِیَّۃُ

"یعنی غلامی کی ذلت کے مقابلے میں مجھے موت منظور ہے۔"

---

(۱) ابن قتیبہ: عیون الاخبار ۴/۳ ط دار الکتب۔

کئی بار ایسا ہوا کہ کسی مرد نے کسی قیدی عورت سے شادی کی اور اسے اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے پوری عزت وتکریم دی مگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوئی کہ اس سے غلامی اور قید کی گردوغبار چھٹی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک عربی نے ایک عورت کو جنگ میں قیدی بنا لیا۔ اس عورت سے اس کے سات بیٹے ہوئے۔ ایک دن اس نے اپنے خاوند سے کہا: مجھے اپنے خاندان والوں کو ملنے دے تا کہ غلامی کی ذلت دور ہو اور میں آزاد عورت کہلاؤں۔

خاوند نے اسے اجازت دے دی۔ وہ اپنے خاندان کے پاس پہنچی اور پھر واپس نہ آئی حالانکہ وہ اپنے خاوند سے شدید محبت کرتی تھی اور اس کے حسن اخلاق کی مداح تھی۔

عروہ بن الورد العبسی زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر گزرا ہے۔ یہ شخص بلا کا شاہسوار اور واقعہ دیدہ تھا۔ ایک جنگ میں غفار یہ قبیلہ کی سلمیٰ نامی دوشیزہ اس کے ہاتھ لگی۔ سلمیٰ حسن صورت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ عروہ نے اسے آزاد کیا اور اس سے شادی کر لی۔ وہ دس سے بھی زائد سال اس کی زوجیت میں رہی۔ اس کے بطن سے اس کی اولاد ہوئی۔ عروہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور اس کی حد درجہ عزت کرتا تھا۔ مگر قید کی مذلت اس کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہی۔ ایک دن اس نے کہا۔

عروہ تیرے بچوں کو اپنی ماں کی وجہ سے طعنے سننا پڑتے ہیں۔ اور لوگ انہیں جنگی قیدی عورت کی اولاد کہتے ہیں۔ عروہ نے کہا پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔ سلمیٰ نے کہا:

"مجھے اپنی قوم کے پاس واپس بھیج دے تا کہ وہ مجھے ایک آزاد عورت کی حیثیت سے تیرے حوالے کریں"

وہ عروہ کے ساتھ خوش تھی اور اسے وہاں زندگی کی ہر آسائش حاصل تھی۔

عروہ اسے لیکر حج کرنے گیا۔ اکیلے حج کیا کیونکہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا۔ پھر اسے سوار کر کے اس کے گھر والوں کی ملاقات کے لیے لے گیا۔ بنی غفار نے عروہ کو دھوکہ سے شراب پلا دی اور جب اس کے حواس مختل ہوئے تو اس سے پوچھا سلمیٰ کو ساتھ لے جائے گا یا اسے یہیں چھوڑ دے گا۔ چونکہ وہ شراب کے نشے میں تھا۔ اس لیے سلمیٰ کو اختیار دے دیا کہ اگر وہ یہاں رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے۔ سلمیٰ نے کہا۔

اے عروہ! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ تجھ سے بچھڑنے کا مجھے قلق رہے گا۔ عرب میں تجھ سے زیادہ غیرت مند باوقار، سخی اور بہادر کوئی نہیں۔ لیکن تیری قوم میں گزرا میرا ایک ایک لمحہ میرے لیے موت سے زیادہ تلخ تھا۔ کیونکہ میں تیری قوم کی کسی عورت سے قطعاً یہ نہیں سننا چاہتی تھی کہ عروہ کی لونڈی نے یہ کہا اور وہ کہا۔ بخدا میں غطفانیہ کی طرف کبھی نہیں دیکھوں گی۔ جا اپنے بچوں کے پاس واپس چلا جا اور ان کا پورا خیال رکھ"۔

عروہ حسرت و یاس کی تصویر بنے واپس لوٹا۔ اسی موقع پر اس نے اپنا وہ مشہور قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے۔

سَقَوْنِیَ الْخَمْرَ ثُمَّ تَکَنَّفُوْنِیْ   عُدَاۃُ اللّٰہِ مِنْ کَذِبٍ وَزُوْرِ (۱)

"انہوں نے مجھے شراب پلائی اور گھیر لیا۔ اللہ کے ان دشمنوں نے مجھے کذب و جھوٹ پر مجبور کر دیا۔"

جہاں تک میں جانتی ہوں قدیم زمانہ میں جو عزت و تکریم عربوں کے ہاں امومت کو حاصل تھی وہ کسی اور قوم میں شاید نہیں ہوگی۔ "المبرد" نے "الکامل" میں "سلیک بن السلکہ" کے وہ اشعار ذکر کیے ہیں جن میں لونڈیوں کے حوالے سے اس پر روا رکھے جانے والے ظلم و ستم کا تذکرہ ہے۔ لونڈیوں کو غلامی کی ذلت نے ذلیل و رسواء کر دیا تھا۔ اس بیچارے میں یہ طاقت نہیں تھی کہ قبیلے میں موجود ان کس مپرس مظلوم عورتوں کو فدیہ دیکر آزاد کرواتا۔ سلیک کو عار دلائی جاتی تھی کیونکہ وہ خود ایک حبشن لونڈی کا بیٹا تھا۔ وہ اس ذلت و رسوائی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اشاب الرأس انی کل یوم   اری لی خالۃ بین الرجال
یشق علی ان یلقین ضیماً   ویعجز عن تخلصھن مالی

"میں اپنی خالہ کو روزانہ دوسروں کے درمیان دیکھتا ہوں۔ اس چیز نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ میں جب دیکھتا ہوں کہ وہ ظلم و ستم کا شکار ہیں اور میرا مال ان کی آزادی کے لیے ناکافی ہے تو یہ بات مجھ پر بڑی گراں گزرتی ہے۔"

(۱) الاغانی ج ۳ ص ۳۸ طبع دار الکتب الروض الانف ۱۸۰/۲ میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حاتم عرب بھر میں زیادہ سخی ہے تو یہ عروہ سے زیادتی ہوگی۔

اعلیٰ خاندانوں کی شریف زادیوں کے بیٹے اپنی ماں کی عزت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور ان کی حفاظت پر اپنی جان وار دیتے تھے۔ تاریخ میں ایسے بہت سارے واقعات ہیں جن میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرتے ہیں۔

صاحب الاغانی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند نے اپنے ہم جلیسوں سے پوچھا۔

کیا عرب میں کوئی ایسی عوت بھی ہے جو میری ماں کی خدمت کو عار سمجھے گی؟

مصاحبوں نے کہا۔ ہاں...... عمرو بن کلثوم کی ماں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اس کی وجہ؟

مصاحب بولے: اس کا والد مہلہل ابن ربیعہ ہے۔ چچا کلیب وائل ہے جو پورے عرب میں سب سے زیادہ باعزت و محترم ہے۔ اس کا خاوند کلثوم بن مالک ہے جو عرب بھر میں بہترین شاہسوار ہے۔ اور اس کا بیٹا عمرو بن کلثوم ہے۔ جو اپنی قوم کا سردار اور لشکروں کا سپہ سالار ہے۔

عمرو بن ہند نے، عمرو بن کلثوم کے پاس آدمی بھیجا اور ملاقات کی دعوت دی۔ اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اپنی والدہ کو بھی ساتھ لانا کہ میری والدہ ان سے ملنا چاہتی ہیں۔ ابن کلثوم بنی تغلب کے چند آدمیوں کی معیت میں چلا۔ اس کی والدہ لیلیٰ ایک کجاوے میں بیٹھی اس کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ بنو تغلب کی چند دوسری عورتیں بھی ساتھ تھی۔

عمرو بن ہند نے شہر سے دور ویرانے میں خیمے لگانے کا حکم دیا۔ حیرہ اور فرات کے درمیان ایک میدان میں خیمے اور سائبان لگا دیے گئے۔ ابن ہند نے اپنے مصاحبوں کو اپنے خیمے کے قریب ٹھہرایا کہ وہ بنی تغلب کے سرداروں کی پیشوائی کریں گے۔ ابن کلثوم بادشاہ کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کی ماں لیلیٰ بادشاہ کی ماں کے خیمے میں گئی یہ دونوں خواتین ایک ہی خاندان کی بیٹیاں تھیں۔

واقعہ نگار کہتے ہیں کہ عمرو بن ہند نے اپنی ماں سے کہہ دیا تھا کہ خادموں کو دور رکھنا اور کسی چیز کی ضرورت پڑے تو لیلیٰ سے خدمت لینا۔ کچھ دیر کے لیے دونوں خواتین میں گفتگو ہوئی۔ کھانے پینے کا وقت آیا تو ہند نے لیلیٰ سے کہا ذرا یہ رکابی تو اٹھا دیجئے۔ لیلیٰ نے

جواب دیا۔ رکابی کی ضرورت ہے تو خود اٹھا لے۔ انسان کو اپنا کام خود کرنا چاہیے ہند نے اصرار کیا۔ لیلیٰ چیخ اٹھی۔

ہائے ذلت ورسوائی۔ اے تغلب کے لوگوں میں رسوا ہو گئی لیلیٰ کے بیٹے نے اپنی ماں کی چیخ سنی تو آگ بگولہ ہو گیا۔ اس کی رگوں میں عربی خون نے جوش مارا۔ ادھر ادھر دیکھا خیمے کے ساتھ تلوار لٹک رہی تھی۔ جھپٹا۔ تلوار اٹھائی اور عمرو بن ہند کا سر قلم کر کے پھینک دیا اور شیر کی طرح غرایا کہ آج کے بعد نبی تغلب کے لیے کوئی رسوائی نہیں۔

کہتے ہیں کہ عمرو بن کلثوم نے اپنا یہ مشہور قصیدہ اسی دن ارتجالا کہا تھا۔

ابا هند فلا تعجل علينا　　و انظرنا، نخبرك اليقينا
بانا نورد الرايات بيضا　　ونصدرهن حمرا قدروينا
الا لايجهلن احد علينا　　فنجهل فوق جهل الجاهلينا
باى مشيئة عمرو بن هند　　تطيع بنا الوشاة وتزدرينا؟
تهددنا، وا وعدنا، رويدا　　متى كنا لامك مقتوينا؟
على آثارنا بيض حسان　　نحاذر ان تقسم اوتهونا
اذالم نحمهن فلايقينا　　لشئ بعد هن ولاحينا

''ابو ہند ہمارے معاملے میں جلدی نہ کر۔ ہماری طرف دیکھ ہم تمہیں یقین دلا دیں گے کہ ہم سفید جھنڈے لاتے ہیں اور شراب پی کر انہیں بھی سرخ کر دیتے ہیں۔

کوئی ہمارے سامنے جہالت کا مظاہرہ نہ کرے ورنہ ہم جاہلوں کی نسبت زیادہ جہالت کا مظاہرہ کریں گے۔

کس خیال کے تحت اے عمرو بن ہند تو نے ہمیں دھوکے اور فریب سے اپنا مطیع کرنا چاہا۔

تو ہمیں دھمکی دیتا ہے۔ ہمیں ڈراتا ہے۔ ذرا ٹھہر تو! ہم کب تیری ماں کے غلام رہے ہیں۔

ہمارے پیچھے سفید چمکتی تلواریں ہیں۔ ہم محتاط اور چوکنے رہتے ہیں کہ کہیں تلواریں تقسیم نہ ہو جائیں یا ذلت ورسوائی کا سبب نہ بن جائیں۔

جب ہم اپنی ماؤوں کی حفاظت نہ کر سکے تو پھر کسی اور چیز کی حفاظت کیسے کر سکیں گے۔ ان کی ذلت کے بعد تو ہمارا جینا موت کے مترادف ہے''

اپنی ماں کی عزت کی حفاظت کی خاطر بنو تغلب نے بادشاہ کے سر کاٹنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عمرو کا بھائی مرۃ بن کلثوم اٹھا اور اس نے نعمان اور اس کے بھائی کو قتل کیا۔ مرۃ اس آگ کو بجھانا چاہتا تھا جو اس کی ماں کی اہانت کر کے اس کے دل میں لگائی گئی تھی۔

بنو تغلب ہمیشہ عمرو کے اس قصیدہ کی تعظیم کرتے رہے۔ چھوٹے بڑے سبھی نسل در نسل اسے روایت کرتے رہے اور عمرو بن ہند کے قتل پر زندگی بھر نازاں رہے۔

فرزوق نے کہا تھا:

قومی هم قتلوا ابن هند عنوة

''میں اس قوم کا فرد ہوں جس نے ابن ہند کو ظلما قتل کیا تھا۔''

مریم تغلبی کے اشعار ہیں

لعمرک ما عمرو بن هند و قلدى　　لتخدم ليلى امه بموفق
فقام ابن كلثوم الى السيف مصلتا　　فامسك من ندمانه بالمخنق
وجلله عمرو على الراس ضربة　　بذى شطب صافى الحديدة رونق

''بخدا عمرو بن ہند نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہ اس کو اس لیے بلائے کہ لیلیٰ اس کی ماں کی خدمت کرے۔

ابن کلثوم نے خیمے کے ساتھ لٹکتی تلوار لی اور اپنی شدید ندامت کا بدلہ چکا دیا عمرو نے بادشاہ کے سر پر کاری ضرب لگائی۔ اس کے ہاتھ میں بہترین لوہے سے بنی ہوئی لمبی تلوار تھی''۔

اخطل تغلبی کلثوم کے بیٹوں عمرو اور مرہ پر فخر کرتے ہوئے جریر سے کہتا ہے۔

ابنى كليب ان عمى اللذا　　قتلا الملوك وفككا الاغلالا

"اے بنی کلیب میرے ان دو چچاؤں نے بادشاہوں کو قتل کیا اور بیڑیوں کو کھول ڈالا"
اموامت کے لیے وہ بے حد غیرت مند تھے۔ لیلیٰ اور اس کے بیٹے عمرو کے واقعہ کو قصہ گو لوگوں کی وضع کردہ کہانی اور راویوں کی مبالغہ آرائی کا نام نہیں دے سکتے کیونکہ دلالت اجتماعی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو ایک باوقار ومحترم مقام حاصل تھا۔

جہاں راوی عرب ماں کے بلند مرتبہ کی گواہی دیتے ہیں وہیں اس چیز سے بھی انکاری نہیں کہ بیٹوں کی عظمت کی بدولت مائیں معزز سمجھی جاتی تھیں۔(۱) تاریخ نگاروں نے بہت سے ایسے اشعار کا تذکرہ کیا ہے جن میں ماؤوں نے اپنے بیٹوں پر فخر کیا ہے۔ جو بڑے ہو کر اپنی شرافت اور بلندی کردار کی وجہ سے تاریخ کا حصہ بن گئے۔

راوی اعتراف کرتے ہیں کہ حاتم طائی کو سخاوت اپنی ماں سے ورثہ میں ملی۔
صاحب الاغانی (۲) نے کہا ہے کہ وہ اپنے پاس باقی کچھ نہیں رکھتی تھی۔ اس کے بھائیوں نے اسے یوں مال لٹاتے دیکھا تو اس کو مال دینا بند کر دیا۔ ایک عرصہ بعد جب انہیں اندازہ ہوا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور تنگ دستی کی وجہ سے وہ بہت مشکل میں ہے تو اسے اونٹوں کا گلہ ہانک دیا۔ اسی لمحے بنوہوازن کی ایک عورت آئی۔ اس نے دست سوال دراز کیا۔ حاتم طائی کی ماں نے کہا بخدا بھوک نے میرے پیٹ میں پنجے گاڑھ رکھے ہیں۔ مگر میں کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں جانے دوں گی یہ اشعار پڑھے اور سب اونٹ سائلہ کے حوالے کر دیے۔

لعمرک قدما عضنی الجوع عضة — فآلیت الا امنع الدھر جائعا
فقولا لھذا اللائمی، الیوم اعضنی — وان انت لم تفعل، فعض الاصابعا
فماذا عساکم ان تقولوا لاختکم — سوی عذلکم اوعزل من کان مانعا
وما ذاترون الیوم الطبیعة — فکیف بترکی یا ابن ام الطبائعا

"بخدا بھوک نے عرصہ دراز تک مجھے اپنے دانتوں سے کاٹا۔

(۱) امالی القالی: ۱۱۸/۲۔ ط بولاق۔
(۲) ۹۳/۶۔ ط الساسی۔ دیکھیے عیون الاخبار لابن قتیبہ ۱: ۳۳۶۔ ط دار الکتب۔

میرے پاس مال آیا تو میں نے دوبارہ سخاوت شروع کر دی کہ کوئی شخص میرے گھر سے بھوکا واپس نہ لوٹے۔

(اے میری دو آنکھوں) حضرت ناصح سے کہہ دو آج مجھے معاف رکھے۔ اگر تو ملامت نہیں کرے گا تو فرط ندامت سے تیری انگلیاں کٹ جائیں گی۔ (میرے بھائیوں!) تم اپنی بہن سے آج کیا کہو گے" (سخاوت سے باز رکھنا تو ممکن نہیں) ہاں تم خود اور سخاوت نہ کرنے والے مجھ سے الگ ہو سکتے ہیں۔

آج تم خصلت طبعی کے علاوہ کہاں دیکھ رہے ہو۔ اے میری ماں جائے میں طبعی خصلتوں کو کیسے چھوڑ دوں۔"

اسی طرح جزیرہ عرب کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے جن راویوں نے عقلمند اور نجیب عورتوں کا تذکرہ کیا ہے انہوں نے پورے انصاف سے کام لیا ہے۔ ان باعزت و محترم شخصیات میں کئی عورتوں کے نام آتے ہیں۔ ان میں ایک نام "فاطمہ بنت الخرشب الاغاریہ" (۱) کا ہے۔ اس کی شادی "زیاد عبسی" سے ہوئی اور اس کے بطن سے اس کے چار بیٹے ربیع الکامل، قیس الحفاظ عمارة الوہاب اور انس الفوارس ہوئے جنہیں "الکملة" کا لقب دیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ فاطمہ سے کسی نے پوچھا تیرا کونسا بیٹا افضل ہے۔ اس نے کہا سب اچھے ہیں۔ گویا ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں جس کے سرے کا پتہ نہیں چل سکتا۔

ایسی ہی ایک خاتون ام البنین بنت عامر بن عمرو ہے۔
اس کی شادی مالک بن جعفر بن کلاب سے ہوئی۔ اور اس کے بطن سے چھ بیٹے بیٹیاں ہوئے۔ ملاعب الاسنة جو ہراء بن مالک کا باپ ہے۔ طفیل الخیل جو عامر بن طفیل کا والد ہے۔ معود الحکماء معاویہ بن مالک نزال المضیق سلمی بن مالک۔ ربیع المقترین ربیعہ بن مالک جو لبید کا باپ ہے۔ (۲)

(۱) ابن حزم: جمھرة الانساب۔ ۲۳۹۔ ط اولی ذخائر الاغانی: ۲۰/۱۶۔
(۲) ابن حزم: جمھرة الانساب ۲۶۸/اول۔

عاتکہ بنت مرہ بن ہلال السلمیہ

ان کی شادی عبدمناف بن قصی بن کلاب سے ہوئی اور بہت سے بیٹوں اور بیٹیوں کی ماں بنی۔ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی کے جدامجد ہاشم بنوامیہ کے جدامجد عبدالشمس، مطلب بن عبدمناف۔ انہیں کی نسل سے ہیں مشہور صاحب المذہب فقہی حضرت امام شافعی محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبدالمناف بھی انہیں کی اولاد سے ہیں۔(۱)

ایسی ہی ایک محترم عورت جن کا اسم گرامی عاتکہ ہے۔ انہیں حضور ﷺ کی پردادی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اوران کا شماران عواتک السلیمات سے ہوتا ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں ہوا ہے۔

ام الفضل، لبابۃ الکبری بنت الحارث بن حزن الھلالیہ

ان کی شادی عباس ابن عبدالمطلب بن ہاشم سے ہوئی۔ ان کے بطن سے سات بچے اور بچیاں ہوئے۔ فضل بن عباس، عبداللہ بن عباس، عبیداللہ، قثم، معبد، عبدالرحمٰن اورام حبیب بنت العباس۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے فضل کے نام سے ابوالفضل کنیت کرتے تھے۔ یہی وہ جوان ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کیا نبی عباس عبداللہ بن عباس کی نسل سے ہیں۔ ام حبیب بنت عباس کی شادی بنی مخزوم میں ہوئی تھی۔(۲)

ام فضل کی والد کی مدح میں ایک شاعر نے کہا ہے۔

مَـا وَلـدت نـجيبة مـن فـحـل　　　　كسبـعة مـن بـطـن ام الـفـضـل

جیسے ام فضل کے بطن سے سات گبرو پیدا ہوئے ایسے کسی اور ماں نے نہیں جنے۔

---

(۱) جمھرۃ ۱۲۔ مزید دیکھے۔ عاتکہ بنت ہلال سلمیہ۔ یہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال کی چچی، عاتکہ بنت الاوقص بن مرہ بن ہلال، بنی ہاشم بن عبدالمناف ام وہب بن عبدالمناف بن زہرہ کی ماں ام وہب حضور ﷺ کی نانی جان ہیں۔ (المخبر لابن حبیب، الروض الانف جلد اول)

(۲) جمھرۃ الانساب: ۱۵ مقابلہ علی نسب قریش لابی عبداللہ المصعب الزبیری: ۳۴،۲۵ طاولی ذخائر۔

ام لبابہ الکبری

ان کا نام ہند بنت عوف بن زہیر ہے اس کی تمام بیٹیوں کو مشرف باسلام ہونے کی سعادت نصیب ہوئی رضی اللہ عنہن ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) ام المؤمنین میمونہ بنت الحارث بن الحزن۔ آپ ام الفضل کی حقیقی بہن ہیں (۲) لبابہ الصغریٰ بنت الحارث بن حزن۔ آپ خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی کی والدہ ماجدہ ہیں (۳) ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ عامریہ۔ آپ اپنی سخاوت کی وجہ سے ام المساکین کے نام سے مشہور ہیں (۴) اسماء بنت عمیس الخثعمیہ۔ ان کی پہلی شادی حضرت سیدنا جعفر طیار سے ہوئی۔ اوران کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں اور حضرت محمد بن ابی بکر کی ماں بنیں حضرت ابوبکرؓ کے وصال کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اوران کے بطن مبارک سے حضرت علی کے ایک بیٹے یحییٰ پیدا ہوئے تھے۔(۱)

"ریطہ بنت سعید بن سھم الفھریہ السھمیہ"

اس کی شادی مغیرہ بن عبداللہ ابن عمر بن مخزوم سے ہوئی۔ اوراس کے بطن سے عبداللہ کے آٹھ بیٹے اور بیٹیاں ہوئے (۱) ہاشم بن المغیرہ۔ یہ حضرت فاروق اعظم کے نانا ہیں (۲) ہشام بن مغیرہ۔ قبل از اسلام اسی کے یوم وفات کو قریش نے سن کی بنیاد بنایا ابوربیعہ ذوالرمحین۔ یہ مشہور شاعر عمر، بن عبداللہ بن ربیع کا دادا ہے (۴) ابوامیہ بن المغیرہ جنہیں ذارالرکب کہا جاتا ہے۔ ام المؤمنین ام سلمہ کے والد ہیں (۵) خداشا (۶) زہیر (۷) تمیم (۸) فاکہ، فاکہ کی پہلی شادی صخر ابن حرب سے ہوئی اور دوسری حضرت ابوسفیان سے ہوئی تھی۔

عبداللہ بن زبعری مغیرہ کے بیٹوں اوران کی ماں ریطہ کے بارے اپنے مشہور مرثیہ میں کہتا ہے۔

الا　　للہ　　قوم　　　ولدت اخت بنی سھم

---

(۱) نسب قریش 300 ابیات الزبیری نوادر المقالی 300 الصاھل والشاحج از ابوالعلاء 704-705ط اولی الذخائر

''ہاں ہاں ایک قابل ستائش قوم وہ بھی ہے جسے بنی سہم کی بہن (ریطہ) نے جنم دیا۔''

اس سے بڑھ کر امومت کا احترام کیا ہے کہ عرب کے کئی قبائل اپنی ماؤوں کی طرف منسوب ہیں۔ یہاں ہم صرف چند قبائل کا ذکر کریں گے۔ تمام قبائل کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔

بنو خندف: لیلیٰ بنت حلوان بن عمران القضاعیہ کے خاوند کا نام الیاس بن مضر بن معد بن عدنان ہے۔ اس کے بیٹے مدرکہ، طابخہ اور قمعہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہیں۔ (ا)

ام خندف یعنی ضریہ بنت ربیعہ بن نزار۔ حمٰ ضریہ اسی کی طرف منسوب تھے۔

بنو مزینہ: مزینہ قلب بن وبرہ کی بیٹی ہے اس کے بیٹے عثمان اور اوس جو عمرو بن ادس کے بیٹے ہیں اسی کی طرف منسوب ہیں۔

بنو جدیلہ: جلدیلہ مر بن اد کی بیٹی ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ مدرکہ بن الیاس کی بیٹی ہے۔ یہ عورت بنی فہم اور عدوان کی ماں تھی جو عمرو بن قیس عیلان، بن مضر کے بیٹے تھے اور ماں کی وجہ سے بنو جدیلہ کہلاتے تھے۔

بنو الطفاوۃ: الطفاوہ جرم بن زبان کی بیٹی ہے بنو باہلہ اور غنی جو اعصر بن سعد بن قیس عیلان کے بیٹے ہیں اسی کی طرف منسوب ہیں۔

بنو باہلہ: باہلہ صعب بن سعد العشیرہ المزجیہ کی بیٹی ہے۔ ایک قبیلہ اس کی طرف منسوب ہے۔ مالک بن اعصر کے جتنے بیٹے تھے خواہ وہ باہلہ کے بطن سے تھے یا مالک کی دوسری عورتوں کے بطن سے سب اسی کی طرف منسوب تھے۔

بنو قیلہ: قیلہ ارقم بن عمرو بن جفنہ الغسانی کی بیٹی ہے اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے اسی عورت کی اولاد ہیں اور خزرج حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو الازدی کے بیٹے ہیں۔ انصار کے تمام خاندان اسی عورت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

(ا) جمھرۃ الانصاب: ۲۳۱۹ نصب قریش ۷۔ ۴۴۸ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام ۷۸/۱

بنو بجیلہ: ل بجیلہ صعب بن سعد العشیرہ کی بیٹی ہے۔ اس کے خاوند عمرو بن الغوث یعنی ازد کے بھائی کے تمام بیٹے اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انمار، خثعم، وداعہ، عیفر، غوث، اذھل اور طریف وغیرہ قبیلے اسی کی اولاد سے ہیں۔

بنو عاملہ القضاعیہ: عاملہ القضاعیہ، حارث بن عدی بن مرہ بن ادد کی بیوی ہے۔ اس کے تمام بیٹے اپنی ماں کی وجہ سے بنو عاملہ کہلاتے تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم کے ہاں دس بچے ہوئے اور یہ دس بنو تمیم اور ان کے مختلف خاندانوں کی اصل ٹھہرے مگر تمام قبیلے اور اس کی ذیلی شاخیں اپنی ماؤوں کی طرف منسوب ہیں۔

بنو صحاریہ: دارم، ربیعہ، کعب مالک بن حنظلہ کے تینوں بیٹے اپنی ماں صحاریہ کی طرف منسوب ہیں۔

بنو العدویہ: العدویہ زید، صدی۔ یربوع کی والدہ ہیں۔ مگر یہ اپنے والد مالک بن حنظلہ کی بجائے ماں العدویہ کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔

بنو طھیہ: طھیہ عبشمس بن سعد بن زید مناہ کی بیٹی ہے۔

ام الطھوبین: ابی سود اور عون، اس کے بیٹے ہیں۔ اپنے باپ مالک بن حنظلہ کی بجائے اپنی ماں الطھوبین کی طرف منسوب ہیں۔

بنو حطی: حطی، جشیش بن مالک بن حنظلہ کی ماں ہے۔ اور اس کی اولاد بنو حطی کہلاتی ہے۔

بنو بشہ: بشہ بنی سدوس بن دارم کی ماں ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کی نسل بنو بشہ کہلاتی ہے۔

بنو منیہ: یعنی ام یعلی بن منیہ۔ یعلی اپنے باپ امیہ بن ابی عبیدہ بن ہمام کی طرف منسوب ہونے کی بجائے ماں کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ زید بن مالک بن حنظلہ کی اولاد سے ہے۔ (ا)

(ا) جمھرۃ الانساب: ۲۱۶۔ ۲۱۷

صرف عام قبائل ہی نہیں عرب کے کئی بادشاہ بھی اپنی ماؤں کی طرف منسوب تھے۔

عمرو بن ھند کے والد کا نام منذر بن ماء السماء تھا۔ جو حیرہ کا بادشاہ تھا۔

اس کی والدہ ام الملوک المناذرہ عوف بن جشم کی بیٹی ماویہ ہے۔

بارہا عرب شعراء نے مردان کارزار کی تعریف ان کی ماؤں کے حوالے سے کی ہے۔ حذیفہ بن غانم، بنی عدی بن کعب بن لوئ کا بھائی عبدالمطلب بن ہاشم کا مرثیہ کہتے ہوئے قریش پر قصی کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ولا تنس ما اسدی ابن لبنی فانہ
قد اسدی یداً محقوقۃ منک بالشکر
وامک سر من خزاعۃ جوہر
اذا حصل الانساب یوما ذووا الخبر
الی سبا الابطال تنمی و تنتمی
فاکرم بھا منسوبۃ فی ذوالزھر

''لبنیٰ'' کے بیٹے (قصی) کے احسانات کو مت بھول۔ اس کے احسانات کا شکر تم پر قرض ہے۔ تیری ماں بنوخزاعہ کی ایک بے مثال خاتون اور جوہر قرار پائے گی جس دن ماہرین فن انساب پر گفتگو کریں گے۔

اسے سبا کے مشاہیر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور وہ حقیقۃً یہ نسب رکھتی بھی ہے تو وہ بھی کیسی کچھ عظمت والی ہوئی جو رونق کی انتہائی چوٹی سے نسبت رکھنے والی ہے۔

''بشر بن ابی حازم'' ''اوس بن حارثہ لام الطائی'' کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

الی اوس بن حارثۃ بن لام
لیقضی حاجتی، ولقد قضاھا
فما وطی الحصا مثل ابن ''سعدیٰ''
ولا لبس النعال ولا احتذاھا

''اوس بن حارثہ بن لام کی طرف جاؤں گا۔ تاکہ وہ میری ضرورت پوری کرے۔ اس نے پہلے بھی میری ضروریات کو پورا کیا۔''

''سعدیٰ'' کے بیٹے کی طرح اور کوئی نہیں جس نے کنکریوں کو روندا ہو اور نہ اس جیسا ہے جس نے اس جیسے خوبصورت جوتے پہنے ہوں۔

اوس قبلہ کی مدح میں بشر کے بہت سارے شعر ہیں۔ بشر کا قصہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ مائیں بیٹوں کی بلندی اخلاق اور تعمیر کردار میں ایک اثر رکھتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ کسی قبیلہ نے بشر بن ابی حازم کو ابھارا کہ وہ اوس کی ھجو کرے۔ بشر بن ابی حازم نے اوس کی ھجو کی اور اپنے ہجویہ اشعار کے ذریعے اس کا جینا دوبھر کر دیا۔ اس نے ایک آدمی بھیجا کہ بشر کے مالک کو منہ مانگی رقم دیکر خرید لو۔ جب بشر اوس کے پاس لایا گیا تو اوس نے فیصلہ کیا کہ اسے قید رکھا جائے حتی کہ مر جائے۔ یا اس کی زبان کاٹ دی جائے یا ٹانگیں اور بازو کاٹ کر اسے پھینک دیا جائے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اوس جب اپنی ماں ''سعدیٰ'' کے پاس آیا تو اس نے اس فیصلہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اپنے بیٹے کو مشورہ دیا کہ بشر کو خوب نوازو۔ اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اوس نے اپنی ماں کی بات مان لی اور بشر کو خوب نوازا۔ پھر بشر نے ''ابن سعدی'' کی مدح سے آفاق میں گونج پیدا کر دی اور قسم کھائی کہ زندگی بھر ''ابن سعدیٰ'' کے علاوہ کسی اور کی تعریف نہیں کرے گا۔

یہ حقیقت کیسے بھلائی جا سکتی ہے کہ بڑے بڑے واقعات میں عورت مرد کے شانہ بشانہ رہی ہے۔ اسی لیے ابن اسحاق اپنی سیرت کی کتاب میں اس عہد و پیماں کا ذکر کرتے ہیں جو عبد مناف اور ان کے حلیفوں کے درمیان ہوا تھا۔ قصی کے بعد جب عبد مناف اور بنی عبداللہ کے درمیان تولیت کعبہ اور سرداری پر اختلاف رونما ہوا تھا تو ایک عورت ہی تھی جو خوشبو کا بھرا ہوا پیالہ لائی تھی اور اس کے کہنے سے بنی عبد مناف اور ان کے حلیفوں نے خوشبو کے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر کعبہ اللہ پر ہاتھ رکھ کر یہ قسم اٹھائی تھی کہ میدان جنگ سے قدم باہر نہیں رکھیں گے اور اپنے حلیفوں کو دشمن کے مقابلے میں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

سہیلی نقل کرتے ہیں کہ زبیر یعنی ابن بکار نے کتاب میں قریش کے نسب نامہ کو ذکر کرتے ہوئے اس پیالے کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ جو عورت یہ پیالہ بیت اللہ شریف میں لائی تھی وہ ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور حضرت

کے والد ماجد عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں۔

ہم میں سے اکثر لوگ جانتے ہیں کہ عرب اپنے شجرہائے نسب یاد کرنے اور انہیں بیان کرنے میں نہایت حریص اور مشتاق واقع ہوئے ہیں۔ نسب ان کے ہاں ایک مستقل علم تھا۔ جسے یہ لوگ باقاعدہ حفظ کرتے اور کتابیں تالیف کرتے تھے۔ بہت سارے لوگوں کو اسی فن کی وجہ سے شہرت نصیب ہوئی۔ مثلاً جبیر بن مطعم بن عدی۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص قریش کے نسب کو بیان کرنے میں ثانی نہیں رکھتا تھا اور پورے عرب قبائل کے نسب اسے یاد تھے۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق ایک ماہر نساب کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے اور عرب قبیلوں کے انساب کو بیان کرنے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔

یہ سب باتیں ہم جانتے ہیں مگر جب نسب کا ذکر آتا ہے تو عموماً ہمارا خیال صرف آباء واجداد کی طرف جاتا ہے اور ہم ماؤں، دادیوں اور نانیوں کو بھول جاتے ہیں حالانکہ عرب نساب ان کے ذکر سے غافل نہیں رہے۔ نسب کی کسی کتاب کو آپ دیکھیں۔ ماؤں کا تذکرہ بھی اسی طرح ملے گا جس طرح آباء کا کیونکہ عرب نساب ماؤں کا ذکر کرنے میں بڑے حریص تھے۔

اور ایسی قوم کے حوالے سے یہ بات کوئی حیران کن بھی نہیں جو نسب کی حفاظت اور اس کی قدر و منزلت پر جان چھڑکتی ہو اور ننھالی رشتوں پر فخر کرتی ہو۔

اسلام کے بعد بھی قرنوں یہ طریقہ رائج رہا۔ مثلاً جریر بن عطیہ نے ہشام بن عبدالملک بن مروان کی تعریف میں جو شعر کہے ان کی گونج آج بھی سنائی دے رہی ہے۔

فما الام التی ولدت قریشا　　بمقرفة النجار ولا عقیم
وما قوم بانجب من ابیکم　　وما خال باکرام من تمیم

”جس ماں نے قریش کو جنا ہے وہ نہ تو اپنے میکے بنونجار کو داغدار کرنے والی ہے اور نہ ہی وہ بانجھ ہے۔ کوئی قوم تمہارے باپ سے زیادہ صاحب شرافت نہیں اور نہ ہی کسی کے ننھال بنوتمیم سے زیادہ عزت والے ہیں۔

ابن ہشام کے بقول ان اشعار میں برہ بنت مر کی تعریف کی گئی ہے جو تمیم بن مر کی بہن اور نضر کی ماں تھی۔ ایک قول کے مطابق نضر ہی کو قریش کہتے ہیں جبکہ بعض علماء کی رائے میں فھر بن مالک کا لقب قریش ہے۔

بہرحال قاری جب سیرت طیبہ میں نسب مصطفوی کو پڑھے گا تو حیران ہوگا کہ اہل سیرت نے حضور ﷺ کی امہات کے تذکرے کو کس قدر اہمیت دی ہے اور کتنی دور تک ان کا تعارف کرایا ہے۔

مصعب بن عمیر کی کتاب نسب قریش کو دیکھیے۔ ابن حزم اندلسی کی کتاب جمھرۃ انساب العرب کا مطالعہ کیجئے۔ ہر جگہ آپ محسوس کریں گے کہ نسب کے بیان میں امہات کے تذکرے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

نسب ناموں میں اس اہتمام سے عورتوں کا ذکر اس معاشرے میں ناممکن ہے جس میں عورت کو کوئی حیثیت نہ دی جاتی ہو، عورت محض متاع ہو بچیوں کو زندہ دفن کیا جانا اور باپ کی منکوحہ کو اپنانے جیسے ظلم وستم پر مبنی رویوں پر قصیدہ خوانی ہوتی ہو۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ عرب دنیا میں عورت کے ساتھ مکمل انصاف ہوتا تھا اور اس سے کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔ عورت کے ساتھ ہر دور میں ظلم ہوا۔ ہر دور میں یہ بیچاری ستائی گئی۔ ہم ان واقعات کو ہرگز نہیں جھٹلاتے ہمارا مقصود صرف اتنا ہے کہ عورت کو عزت وتکریم بھی حاصل تھی۔

بھلا ہم ایسے واقعات کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں کہ خود قرآن کریم نے انہیں ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآن کریم نے زندہ درگور ہونے والی بچی کی آہ وزاری کو بیان کیا ہے کہ قیامت کے روز اس سے سوال ہوگا کہ کس گناہ کی پاداش میں تجھ پر ظلم ہوا۔ بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ عرب تاریخ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ظلم تمام قبائل میں عام نہیں تھا۔ ہم عرب عورت کو صرف ایک پہلو سے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کی عزت وتکریم اور ان پر روا رکھے جانے والے ظلم کے واقعات کا موازنہ کریں تو یقیناً ان کی تکریم کے واقعات زیادہ ہونگے۔ اور خصوصاً عرب کی جاہل دنیا میں عورت کو خاص قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور آج کی مہذب دنیا کے مقابلے میں اس پر نسبتاً ظلم کم ہوتا تھا۔ حالانکہ اس وقت حقوق نسواں کے ادارے اور جماعتیں نہیں تھیں۔

امہات الانبیاء

ہماری اس کتاب ''آمنہ'' ام النبی العربی ﷺ میں ابھی ایک ضروری چیز باقی ہے جس کا تذکرہ عموماً نسوانیت اور امومت کے بات میں کیا جانا ضروری ہے۔

اور وہ ہے ادیان سماوی میں انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کا تذکرہ۔ بڑے بڑے ادیان سماویہ کی کتب میں ہم اسماعیل، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم کی الصلوٰۃ والتسلیم کی امہات علیہن الرضوان کے ذکر خیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان چار انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں آباء کا سایہ میسر نہیں آیا۔ ان کی ماؤں نے نہ صرف طبعی فرائض سرانجام دیے بلکہ والد کے فرائض بھی انہیں کے ہاتھوں سرانجام پائے۔ کیونکہ ان کے والد یا تو بچپن میں فوت ہو گئے یا کسی اور وجہ سے ان کی پرداخت کا فریضہ سرانجام نہیں دے سکے۔

یہ صرف اتفاق نہیں۔ قدرت خداوندی نے اس بات کا اہتمام فرمایا۔ جو شفقت و محبت ماں کو بچے سے ہے اس کی کہیں اور مثال نہیں مل سکتی والد شفیق ہے بلاشہ وہ اپنی اولاد کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ رکھتا ہے لیکن جو شفقت ایثار وقربانی کا جذبہ ماں کے دل میں ہوتا ہے اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان حضرات گرامی کے آباء کی دوری یا وفات اتفاق نہیں بلکہ قدرت خود ان لالہ ہائے صحراء کی حنابندی کرنا چاہتی تھی۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ ان ماؤں کے بیٹوں کے دین ماں کو قدرت ومنزلت کا مقام نہ دیں یا ان کی عزت وتوقیر کی تعلیم نہ دیں۔

فطرة الله التى فطر الناس عليها ، لاتبديل لخلق الله

ام اسماعیل

''اے ہمارے رب میں نے بسایا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں۔ تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تا کہ وہ قائم کریں نماز۔ پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق ومحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ تیرا شکرادا کریں''۔

تورات میں ہمیں ام اسماعیل حضرت ہاجرہ کا واقعہ بڑی تفصیل سے ملتا ہے۔ اور قرآن کریم اپنے اسلوب بیان کے مطابق کہ صرف واقعہ کے اہم حصوں پر روشنی ڈالتا ہے اور جزوی تفصیلات کو چھور دیتا ہے کئی مقامات پر اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت ہاجرہ کا انتخاب کرتا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کی دیکھ بھال کرے اور اسے ہلاک ہونے سے بچائے۔ کیونکہ ان کے والد ابراہیم انہیں وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں جہاں بیابان کی وسعتوں کے سواء کچھ نہیں۔ ماں اپنے معصوم بچے پر صدقے ہوتی ہے۔ بچے کو بھوکا پیاسا دیکھ کر کلیجہ تھام لیتی ہے۔ اور اس کی نجات کے لیے انتہائی کوشش کرتی ہے۔ یہ درد اور یہ کوشش اب تاریخ کا ایک حصہ ہے جس میں نہ جانیں کتنے اسباق پوشیدہ ہیں۔

اس ایک واقعہ نے مومت کو خلود بخشا اور ماؤں کے تقدس کو وہ بلندی عطا کی کہ اب یہ عبادت اور دین کی علامت بن گئی ہے۔

ایک ضعیف وناتواں ماں، جس کے پاس کچھ نہیں۔ اپنے بچاؤ اور نجات کا کوئی سامان نہیں نہ کوئی مونس وغمخوار ہے اور نہ کوئی محرم وہمدم۔ سیدہ سارہ ابراہیم کی زوجہ انہیں مصر سے سرزمین کنعان میں لائی ہیں۔

سیدہ سارہ بوڑھی ہیں اور ان کی اولاد نہیں ہوئی۔ وہ اپنے خاوند کو بچہ دینے سے مایوس ہو چکی ہیں۔ ان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کیوں نہ اپنی یہ عصری لونڈی ابراہیم کو دوں شاید کہ اس کے دل کو چین نصیب ہو۔

ہاجرہ امید سے ہیں۔لیکن حواء کی فطرت ہے کہ وہ غیرت وحسد کرتی ہے۔سارہ یہ خبر سن کر جل بھن جاتی ہیں۔انہیں یہ شک گزرتا ہے کہ اس کی لونڈی ہاجرہ اب اسے حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔سارہ اپنے خاوند سے گلہ وشکوہ کرتی کہ میں نے تجھے لونڈی دی اور اب یہ حاملہ ہوئی ہے تو مجھ سے ٹھٹھا کرتی ہے۔

ابراہیم بڑی ملاطفت سے جواب دیتے ہیں۔

سارہ یہ تیری لونڈی ہے۔جو جی میں آئے اس سے سلوک کر۔

لیکن سارہ خود کچھ نہیں کرتی۔بلکہ ایک دوسرا موقف اختیار کرتی ہے۔ہاجرہ کے ہاں جب بچہ ہوتا ہے تو سیدہ سارہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور اس کا شک یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ میری لونڈی مجھ سے استہزاء کرنے لگی ہے۔قسم اٹھاتی ہے کہ اب وہ اور اس کی لونڈی ہاجرہ ایک چھت کے نیچے اکٹھی نہیں رہیں گی۔

آخر ابراہیم ایک دن جنوب کی طرف چل پڑتے ہیں۔ ہاجرہ اسماعیل کو اٹھائے ہوئے اپنے خاوند کے پیچھے چل رہی ہے۔شاید ابراہیم کے دل میں ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے کوئی پناہ گاہ تلاش کرے۔کعبۃ اللہ جو زمین میں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہے اس کے کھنڈرات باقی تھے۔

ابراہیم ان ماں بیٹا کو لیکر ”مکہ“ کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ان دنوں یہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔ پس بیابان تھا۔ بدو لوگ سفر کرتے ہوئے یہاں گزرتے تھے۔ اور عمالیق کے خانہ بدوش پانی اور گھاس کی تلاش میں ادھرے ادھر پھرتے رہتے تھے لیکن یہاں مستقل شہر کوئی نہیں تھا۔

ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اس کے نومولود بچے کو کعبۃ اللہ شریف کے کھنڈرات کے قریب چھوڑ دیتا ہے۔ان ماں بیٹا کے پاس کچھ نہیں بس چند کھجوریں اور ایک مشک پانی یہی کل اثاثہ ہے۔ابراہیم علیہ السلام انہیں ایک نظر بھر کر دیکھتے ہیں۔اور پھر چل پڑتے ہیں۔وہ چلتے ہوئے بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہاجرہ دھوپ سخت ہے۔یہاں کوئی درخت نہیں۔ایک چھپر ڈال لیجیے۔ ابراہیم علیہ السلام بوجھل قدموں سے ارض

کنعان کو چل دیتے ہیں۔ ہاجرہ صحراء کی وحشت وتنہائی سے کانپ اٹھتی ہیں۔ دوڑ کر ابراہیم علیہ السلام کے دامن سے لپٹ جاتی ہیں۔ ابراہیم! اللہ ہمیں بیابان کی ان ہولناکیوں کے سپرد نہ کیجیے مگر ابراہیم دامن چھڑا کر چل پڑتے ہیں۔جواب میں ایک لفظ نہیں کہتے۔شاید ڈرتے ہیں کہ شفقت پدری اطاعت خداوندی کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے۔کہیں ہاجرہ بی بی کی امومت قدم ڈگمگا نہ دے۔

ہاجرہ پھر پوچھتی ہیں۔

کہاں کا قصد ہے۔اور اس صحراء میں جہاں کوئی انسان نہیں۔ جہاں زندگی کے اسباب ناپید ہیں ہمیں کیوں چھوڑے جا رہے ہیں۔ابراہیم خاموش مہر بلب چلے جاتے ہیں اور ہاجرہ کی بات سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔اب وہ وادی کے آخری بلند کنارے پر پہنچ گئے ہیں۔پس نظروں سے اوجھل ہوا چاہتے ہیں۔حاجرہ کپکپاتی اور لرزتی آواز میں پوچھتی ہیں۔

ابراہیم! کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

ابراہیم پیچھے مڑے بغیر جواب دیتے ہیں ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ہاجرہ خود کلامی کے انداز میں بڑی عاجزی سے کہتی ہیں۔

تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

وہ سر نہوڑائے خاموشی سے بیٹھ جاتی ہیں۔ ابراہیم نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔اب وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں۔شاید واپس آنا چاہتے ہیں کہ اپنی بیوی اور معصوم بچے کو ساتھ لے جائیں لیکن نہیں۔وہ کعبۃ اللہ شریف کی طرف منہ کر کے دعا مانگ رہے ہیں۔

”اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باری نہیں۔ تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز۔ پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق ومحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں“۔(ابراہیم ۳۷۔۳۸)

ابراہیم علیہ السلام دعا کرنے کے بعد اپنی بیوی سارہ کے پاس ارض کنعان کو لوٹ آتے ہیں۔

ہاجرہ اپنے دل کو تسلی دیتی ہیں۔واپس پلٹتی ہیں اور اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آجاتی ہیں۔بچے کے حسین مکھڑے پر نظر پڑتی ہے تو دنیا کے سب غم و رنج، زندگی کی سب کلفتیں بھول جاتی ہے۔گویا صحرا کی وحشتیں اور بیابان کی ہلاکت خیریاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔اسماعیل کی موجودگی میں جنگل کی وحشت بیابان کا سناٹا اور کوہساروں کی دہشت ہیچ ہو جاتی ہیں۔نہ انہیں اب صحراء کا خیال ستا رہا ہے نہ خشک پہاڑوں کی ہیبت۔وہ اپنے بچے کو بس دیکھے چلی جاتی ہیں۔مگر کب تک۔یہ کمزور معاونت جلد ختم ہو جاتی ہے۔بچہ پیاس سے بلبلا رہا ہے۔پانی کی ایک بوند نہیں کہ معصوم کا حلق تر کیا جائے۔ماں کی چھاتیوں میں بھی دودھ نہیں کہ اسے سینے سے چمٹا لے۔ہاجرہ حیران ہے۔اب کیا ہوگا۔دامن سمیٹ لیتی ہے۔آخر ماں اپنے جاں بلب بچے کو کیسے دیکھ سکتی ہے۔دیوانہ وار دوڑتی ہے۔مگر صحرا میں پانی کہاں۔

اسی دوڑ دھوپ میں پہاڑی پر چڑھنے کا قصد کرتی ہیں۔قریب ترین پہاڑ تو صفا کا ہے۔صفا پر چڑھتی ہیں۔بلندی پر پہنچ کر وادی میں نظر دوڑاتی ہیں۔کہ کوئی ہو تو اس سے پانی مانگے۔کہیں سے کوئی آواز کانوں میں آئے تو اس کا پیچھا کرے لیکن ہو کا عالم ہے۔وحشت و تنہائی ہے۔نہ کوئی انسان ہے اور نہ آثار حیات۔وہ بھاگتے ہوئے مروہ کی طرف آتی ہیں۔اس کی چوٹی پر چڑھتی ہیں۔لیکن یہاں بھی کوئی نہیں۔

وہ صفا اور مروہ کے درمیان چکر پر چکر لگاتی ہیں۔حتی کہ تھک کر چور چور ہو جاتی ہیں۔وہ وادی کے نشیب میں آتی ہے اپنے اور اپنے بیٹے کے بارے الٰہی فیصلہ کا انتظار کرنے لگتی ہے۔

لیکن وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔پیاس سے بچے کی چیخ و پکار اس کے دل میں تیر بن کر پیوست ہوتی ہے اور اس کے جگر کو پاش پاش کر دیتی ہے۔بھلا ایک ماں اپنے بچے کو مرتے کیسے دیکھ سکتی ہے۔اپنی دلی قوت سمیٹ کر ایک دفعہ پھر پانی کی تلاش میں نکلتی ہے۔

پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے اور فوراً آنکھیں بند کر لیتی ہے۔مرتے بچے کو دیکھنا ماں کے بس کا روگ نہیں۔کائنات مہر بلب ہے۔ایک ماں کی آہ وزاری ہے یا پھر بچے کی ٹوٹتی سانسوں سے فضا میں لرزش۔ہاجرہ کی چیخ و پکار سے ویرانے کا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔وحشی جانور اور گوشت خور پرندے خوفناک بولیاں بول رہے ہیں۔شاید وہ اپنے شکار پر جھپٹنے کے انتظار میں ہیں جو ابھی کچھ دیر بعد ان کے سامنے بے حس و حرکت پڑا ہوگا۔مگر قدرت کو کچھ اور منظور ہے۔

اچانک ایک پرندہ فضا میں نمودار ہوتا ہے۔وہ منڈلاتا ہے۔اس قطعہ زمین پر چکر لگاتا ہے۔اور پھر تھوڑی دیر بعد زمین پر اترتا ہے۔ہاجرہ یہ سب دیکھ رہی ہے۔وہ زمین کریدتا ہے۔اور اچانک پانی نمودار ہوتا ہے۔آج اس چشمے کو ہم آب زمزم کہتے ہیں۔

ہاجرہ دوڑتی ہے۔پانی چلو میں بھر کر بچے کو پلاتی ہے۔خود پیتی ہے۔

لو چٹیل وادی میں زندگی لوٹ آئی۔آثار حیات پیدا ہوئے۔تاریخ نگار لکھتے ہیں۔کداء سے آنے والے بنو جرہم کا قافلہ یہاں سے گزرتا ہے۔شاید انہیں شام کو جانا ہے۔وہ یہاں کچھ دیر آرام کرنیکی غرض سے ٹھہر جاتے ہیں۔انہیں ایک پرندہ فضا میں منڈلاتے نظر پڑتا ہے۔سوچتے ہیں۔یہ پرندہ ضرور پانی پر منڈلا رہا ہے۔مگر اس چٹیل وادی میں پانی کہاں۔ہم یہاں سے بارہا گزرے ہیں۔پانی تو یہاں نہیں۔مگر پرندہ یوں بے وجہ نہیں منڈلاتا۔ضرور پانی ہے سنگلاخ زمین میں چشمے ابل ہی پڑتے ہیں۔

ایک آدمی کو بھیجتے ہیں کہ صورت حال سے آگاہی دے۔وہ واپس لوٹتا ہے اور پانی کی موجودگی کی خبر دیتا ہے۔چند افراد چل پڑتے ہیں۔ہاجرہ بی بی کی خدمت میں بصد ادب حاضر ہوتے ہیں۔خاتون! تیری اجازت ہو تو قافلہ یہاں پڑاؤ کرے۔تیری تنہائی کا مداوا ہو اور ہم فیض کے جاری اس چشمہ سے فیض یاب ہوں۔پانی پیئیں اور اپنے جانوروں کو تازہ دم کر لیں۔پانی تیرا ہوگا۔ہماری حیثیت محض مسافروں کی ہوگی۔حضرت ہاجرہ اجازت دے دیتی ہیں اور بنو جرہم کا قافلہ کعبۃ اللہ شریف کے قریب پھوٹنے والے اس چشمہ کے پاس خیمے گاڑ دیتا ہے۔

بیت اللہ شریف کا پڑوس معمولی سعادت نہیں۔اسماعیل بڑے ہو گئے ہیں۔وہ

اب سیانی عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ ایک دن اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔ ملاقات ہوتی ہے۔ اور حضرت ابراہیم اپنے بیٹے سے اپنے خواب کی بابت گفتگو کرتے ہیں۔

''اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے'' (الصافات)

اس مضمون کے بعد فدیہ کی آیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچے کو لیکر یہاں سے قدرے فاصلے پر چلے جاتے ہیں اپنے معصوم لخت جگر کو منہ کے بل لٹا کر گلے پر زور سے چھری پھیرتے ہیں۔ مگر نرم و نازک حلقوم پر ایک خراش تک نہیں آتی۔ آواز آتی ہے۔ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ اب اسماعیل نہیں اس مینڈھے کی قربانی ہو گی۔ ہم تمہیں صرف آزمانا چاہتے تھے۔ سورہ الصافات کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۷ میں اس مضمون کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ابراہیم قربانی کے بعد اپنے بیٹے کو لیے واپس لوٹتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کے کھنڈرات کو دیکھتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے گھر کی بنیادیں اٹھاتے ہیں۔ اور اس گھر کو تعمیر کر کے طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور نمازیوں کے لیے صاف ستھرا کر دیتے ہیں۔ یہ درحقیقت عملی تبلیغ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں اس کی عبادت کا فریضہ ادا کیا جائے۔ اس کے بعد باپ بیٹا بارگاہ خداوندی میں نہایت عاجزانہ دعا کرتے ہیں۔

''اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب بنا دے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتا دے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تا کہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک

صاف کر دے انہیں بیشک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے'' (البقرہ)

اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کیلئے بلایا۔ اللہ کریم نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے ان کی اولاد سے محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے برگزیدہ انسان ہیں۔ حضرت اسماعیل ابن ابراہیم جو حضرت ہاجرہ کے بطن مبارک سے تھے، رسول اللہ ﷺ کی امھات میں ہیں۔ حضرت سیدہ ہاجرہ نے تاریخ میں امومت کے غم والم کو داخل کیا۔ صفا اور مروہ جہاں آپ پانی کی تلاش میں دوڑیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین حنیف میں اسے حج کا ایک رکن بنا دیا۔ ہر سال لوگ ان دو پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتے ہیں اور اس وقت کی اس یاد کو تازہ کرتے ہیں۔

اُمِّ موسیٰ

''اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ۔ پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا۔ یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے'' (سورۃ القصص)

قرآن کریم حضرت عمران (والد موسیٰ) کے بارے بالکل خاموش ہے۔ ہاں ان کی والدہ ماجدہ کا ذکر خیر کرتا ہے ایک شیر خوار بچے کی حفاظت ماں کے سپرد ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے اس فریضے کو جان پر کھیل کر بھی ادا کرتی ہے قصہ موسیٰ علیہ السلام کی ابتداء بھی ایسے ہی جذبوں سے ہوتی ہے۔

فرعون بنی اسرائیل کا دشمن ہے۔ وہ ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیتا ہے۔ انہیں سخت ترین سزا دیتا ہے۔ جب ان سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو فوراً انہیں ماخوذ کرتا ہے۔ ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی ہے۔ اور مصر میں ان کی حیثیت غلام بلکہ بدترین غلام کی سی ہے۔

روایات میں ہے کہ فرعون نے ایک ڈراونا خواب دیکھا۔ صبح اٹھ کر سب سے پہلے اس خواب کی تعبیر کا درپے ہوا۔ کاہن۔ نجومی اور جوتشی اکٹھے ہوئے۔ سب نے اپنے

اپنے علم کے مطابق خواب کی صحیح تعبیر بیان کرنے کی کوشش کی۔ سب کی طرف سے متفقہ جواب تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو بادشاہ کی صولت وسطوت کے زوال کا سبب ہوگا۔ وہ قبطی قوم کو ارض مصر سے نکال کر باہر کرے گا اور خود اس مملکت جنت نظیر پر حکومت کرے گا۔ اے بادشاہ ذی شان! اس کی ولادت کا زمانہ زیادہ دور نہیں ہے۔

فرعون کے تن بدن میں گویا آگ لگ گئی۔ اسرائیل کی اولاد کی یہ جرات کہ مجھ سے ملک چھینے اور میری خدائی کا انکار کرے۔ اس نے پورے ملک میں منادی کرادی کہ بنی اسرائیل کے ہر نومولود بچے کو قتل کر دیا جائے زچہ بچہ کی حفاظت کرنے والی دائیاں ہاتھوں میں خنجر لیے ملک کے طول وعرض میں پھیل گئیں اور بنی اسرائیل کے بے گناہ معصوم نومولود بچے لقمہ اجل بننے لگے۔ ہر طرف خوف وہراس تھا۔ آہ وبکا تھی۔ بنی اسرائیل کا دھشت کے مارے خون خشک ہورہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام خوف وہراس کے انہیں دنوں میں پیدا ہوئے۔ مگر اس بارے کسی کو خبر نہ ہوسکی۔ فرعون نے موسیٰ کے خوف سے ستر ہزار بچے قتل کرادیے مگر موسیٰ علیہ السلام محفوظ رہے۔

ام موسیٰ بچے کی پیدائش پر خوش نہیں۔ یہ سوچ کر کہ کسی وقت نومولود ظلم کا نشان بن جائے گا لرز جاتی ہیں۔ مگر کیا کریں۔ کہتے ہیں کہ دایہ جو زچہ بچہ کی خدمت کررہی تھی خداترس خاتون تھی۔ اس نے وعدہ کیا کہ کسی کو خبر نہیں ہونے دے گی۔ ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے اور اس دایہ کی ان کے مکھڑے پر نگاہ پڑی تو سوجان سے فدا ہوئی اور دل میں ٹھان لی کہ ایسی من موہنی صورت والے بچے کو ضائع نہیں ہونے دے گی اس نے ام موسیٰ سے وعدہ کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ مطمئن رہے۔

مگر زیادہ دنوں تک یہ راز راز نہ رہ سکا۔ ایک دن وہ خدمت کر کے واپس جارہی تھی کہ فرعون کے جاسوسوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور واپس اسے گھر لے آئے۔ انہیں یقین تھا کہ عمران کے گھر ضرور بچہ ہوا ہے اور یہ عورت اسے مخفی رکھے ہے۔ جب جاسوس دروازے پر پہنچے تو حضرت موسیٰ کی بہن کو ان کی موجودگی کا اندازہ ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بچہ قتل ہو جاتا۔ ماں نے گھبراہٹ کی حالت میں ادھر ادھر دیکھا۔ قریب ہی تنور تھا جس سے آگ

کے شعلے بلند ہورہے تھے ماں نے بیٹے کو تنور میں ڈال دیا۔ جاسوس اندر داخل ہوئے ہیں۔ ماں بڑے سکون سے بیٹھی ہے۔ بہن گھر کے کام کاج میں مصروف ہے۔ وہ تلاش کرتے ہیں لیکن تنور میں بچہ یہ بات ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں۔ وہ واپس پلٹتے ہیں۔ ماں دروازہ بند کرتی ہے اور دوڑ کر تنور سے بچے کو اٹھالیتی ہے۔ بچہ محفوظ ہے۔ بلکہ اس پر لپٹا کپڑا بھی محفوظ ہے۔ ماں اپنے لخت جگر کو سینے سے لگالیتی ہے اور سوجان سے فدا ہوتی ہے۔

ماں جانتی ہے کہ بچے کو زیادہ دیر نہیں چھپایا جاسکتا۔ دایہ بھی اب زیادہ پرامید نہیں۔ ماں غم کے مارے نڈھال ہے۔ سوچتی ہے بنی اسرائیل کے دوسرے بچوں کی طرح میرا بچہ بھی قتل کردیا جائے گا۔ ان کے گھروں کے چراغ گل ہوئے میرا چاند بھی مطلع کائنات پر طلوع ہوتے ہی غروب ہوجائے گا۔ مگر غم والم کے ان لمحوں میں اللہ تعالیٰ ام موسیٰ کی رہنمائی فرماتا ہے۔

''رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر۔ پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے'' (سورہ طہٰ)

ام موسیٰ نے الٰہی حکم کے مطابق صندوق بنایا۔ اس میں روئی رکھی۔ اور پھر اپنے معصوم بچے کو بصد حسرت ویاس اس صندوق میں لٹا کر نیل کی سرکش موجوں کے حوالے کردیا۔

ذرا سوچیے جب ایک ماں اپنے نومولود بچے کو اپنے ہاتھوں دریا میں ڈال رہی ہو گی تو اس کے احساسات کیا ہوں گے۔

اس واقعہ کو پڑھنے لکھنے والے اکثر لوگ اس ماں کی تصویر سے اغماض برتتے ہیں جو دریا کے کنارے اپنے بیٹے کو بہانے کے بعد کھڑی دیکھتی ہے۔ ان کی نظریں اس صندوق پر مرکوز ہیں جس کے اندر وہ پیارا بچہ سویا بہا چلا جارہا ہے۔ اور صندوق کو موجیں دور بہت دور بہائے لے جارہی ہیں۔

لیکن کچھ لوگ یہاں ٹھہر کر ام موسیٰ کے احساسات کا اندازہ کرتے ہیں۔ کہ جب صندوق اس کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے اور اس کا ذہن فوراً متوجہ ہوتا ہے تو اچانک اسے

پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو دریا کی موجوں کے سپرد کر چکی۔ گویا فرعون کے عذاب سے اپنے بچے کو بچانے کے خیال نے اسے ہر ایک فکر سے بیگانہ کر دیا تھا۔ اسے صرف اپنے بیٹے کی جان کی حفاظت درکار تھی۔ اسی لیے اس نے اپنے بیٹے کو دریا میں بہایا تھا۔ لیکن اب اسے یہ خیال ستائے جا رہا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے کو فرعون کی چھری سے بچا کر مچھلیوں کے منہ میں پھینک چکی ہے۔

شعبی کے بقول:

''جب ام موسیٰ نے اپنے بیٹے کو نیل میں ڈالا اور صندوق اس کی نظروں سے غائب ہوا تو اس کے پاس شیطان آیا اور اس کے دل میں وسوسہ اندازی کی۔ ام موسیٰ سوچنے لگیں۔ میں نے اپنے بیٹے سے کیا کر دیا؟ اگر میری آنکھوں کے سامنے اسے ذبح کیا جاتا تو میں اس کی تجہیز و تکفین کرتی۔ یہ اس سے بہتر تھا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں دریا میں ڈال دیا اور بحری جانوروں کا لقمہ تر بنا دیا''۔

میرے خیال میں واقعہ کا یہ حصہ اسرائیلیات سے تعلق رکھتا ہے جو نومسلم یہودیوں کی وساطت سے ہماری کتب احادیث میں شامل ہوا ہے۔ قرآن کریم کہیں بھی اس کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ بلکہ قرآن کریم کی آیات سے اس واقعہ کی نفی ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ قرآن صراحت کرتا ہے کہ ام موسیٰ نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا۔

بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ ماں اپنے نومولود بچے کو اپنے ہاتھوں دریا کی بپھری موجوں کے حوالے کر چکی ہے۔ اب اس کی نگاہیں صندوق پر لگی ہیں۔ مگر آہستہ آہستہ وہ دور ہوتا جاتا ہے۔ صندوق اب نظر نہیں آ رہا۔ ام موسیٰ کا طلسم ٹوٹتا ہے۔ وہ اس سحر سے باہر آتی ہے۔ اپنی بیٹی کو آواز دیتی ہے۔ مگر یہاں تو کوئی نہیں۔ وہ پھر پکارتی ہے لیکن آواز فضا میں ارتعاش پیدا کر کے خاموش ہو جاتی ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی گھر پہنچتی ہے۔ مگر اس کے دل میں سکون کی ایک کیفیت ہے۔ شاید یہ سکینہ ہے جو مشکل وقت میں قدرت اپنے بندوں کو عطا فرماتی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

''اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تا کہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی'' (القصص)

دریا کی موجیں موسیٰ علیہ السلام کو بہا کر دور لے جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ بقول تاریخ نگاروں کے یہ صندوق فرعون کے محل کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اسی گھاٹ سے فرعون کی خادمائیں پانی بھرتی ہیں۔ وہ آج بھی یہاں موجود ہیں۔ انہیں ایک صندوق نظر پڑتا ہے۔ وہ کنارے کے بالکل قریب بہا چلا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک اس صندوق کو پکڑ لیتی ہے۔ اور پھر سب اٹھا کر اس متاع گراں مایہ کو فرعون کی بیوی آسیہ کے پاس لاتی ہیں۔ وہ تو یہ سمجھ رہی ہیں کہ اس میں قیمتی زر و جواہر بھرے ہیں۔ اور معمولی کوتاہی سخت عذاب کا موجب بن سکتی ہے۔

صندوق کھلتا ہے۔ آسیہ کیا دیکھتی ہے کہ چاند سے مکھڑے والا ایک بچہ ٹکٹکی باندھ کر بڑی اپنائیت سے آسیہ کو دیکھ رہا ہے۔ وہ بہت چھوٹا ہے مگر ہنس رہا ہے۔ کوئی کیا جانے کہ وہ فرعون کے بے بسی پر خندہ زن ہے۔ آسیہ لپک کر اسے اٹھا لیتی ہے۔ اس کے دل میں محبت کے کئی دریچے کھل جاتے ہیں۔ وہ بچے کو سینے سے لگا لیتی ہے اور سو جان سے فدا ہوتی ہے گویا وہ اسی کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

آسیہ اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے۔ یہ کیا ہی انوکھا تحفہ ہے جو قدرت نے اس کی محروم ممتا کو بخشا ہے۔ یک لخت اس کی خوشی پریشانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ سوچتی ہے۔ قاتلان معصوماں کو جب خبر ہو گی تو دوڑے چلے آئیں گے اور اس معصوم کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیں گے وہ سر کو جھٹکتی ہے۔ ایسا ہر گز نہیں ہو گا۔ میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی اسی لمحے ہرکارے آتے ہیں۔ بچہ طلب کرتے ہیں۔

آسیہ حکم دیتی ہے۔

جاؤ! یہ بچہ بنی اسرائیل میں کچھ زیادہ اضافے کا سبب نہیں بنے گا۔

مگر وہ اصرار کرتے ہیں۔ آسیہ نرم لہجے میں کہتی ہے۔

اس کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں فرعون سے اس کی زندگی کی بھیک مانگوں گی۔

میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی۔ اگر فرعون نہ مانا تو پھر تم اس کا حکم ماننا اور بچے کو قتل کر دینا۔ میں تمہیں ملامت نہیں کروں گی۔

آسیہ اپنے خاوند فرعون کے پاس آتی ہے۔ اور بچے کی زندگی کا سوال کرتی ہے۔

''اے میرے سرتاج! یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرنا۔ شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا فرزند بنالیں'' (القصص)

فرعون کہتا ہے۔

تیری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہوسکتا ہے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

بالکل نہیں اسے قتل کرنا ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بنی اسرائیل سے ہو۔ اور یہی وہ بچہ ہو جس کے ہاتھ پر ہماری مملکت کا زوال اور ہماری ہلاکت مقدر ہو۔ نہیں میں یہ بچہ تمہیں نہیں بخش سکتا۔ اسے ضرور قتل کرنا ہے۔

مگر آسیہ بضد ہے۔ اس کی جان کی امان مانگتی ہے۔ وہ اصرار کرتی ہے حتی کہ فرعون مان جاتا ہے اور بچہ آسیہ کو بخش دیتا ہے۔ وہ اسے اپنے پروں میں چھپائے واپس محل میں لوٹتی ہے۔ آج وہ بے حد خوش ہے۔

ادھر یہودیوں کے محلے میں موسیٰ علیہ السلام کی ماں پر گویا قیامت گزر گئی ہے۔ وہ اپنا کلیجہ تھامے اپنے بچے کی جدائی پر تصویر غم والم بنی بیٹھی ہے۔ اپنے ہاتھوں پانی میں بچے کے تابوت کو بہانے والی اس عورت کا دل دھک دھک کر رہا ہے جیسے قفس میں بند نو گرفتار پرندہ پھڑ پھڑاتا ہے۔

وہ اپنی بیٹی سے کہتی ہے۔

دریا کے کنارے کنارے جا اور دیکھ لوگ صندوق کے بارے کیا کہتے ہیں۔ مریم (خواہر موسیٰ) صندوق کا پیچھا کرتی ہے۔ وہ لاتعلق سی ہو کر دریا کے کنارے کنارے چلتی رہتی ہے۔ اچانک وہ رکتی ہے۔ لوگ کسی خاص بات پر گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ مجمع کے قریب پہنچتی ہے۔ وہ کان لگاتی ہے۔ ''آسیہ ملکہ فرعون نے ایک بچے کو متبنی بنایا ہے مگر وہ کسی

عورت کا دودھ نہیں لیتا''۔ وہ یہ باتیں سن کر لوگوں سے پوچھتی ہے۔ آسیہ نے کسی کو متبنی بنایا ہے؟ لوگوں نے تفصیل بتائی۔ مریم سمجھ گئی کہ قدرت اپنے بندے کی حفاظت کا کام خود اس کے دشمن سے لینا چاہتی ہے۔ وہ محل کے قریب جاتی ہے۔ چہل قدمی کے انداز میں ادھر ادھر پھرتی ہے۔ چھپ چھپ کر دیکھتی ہے کہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ اچانک فرعون کی کنیزیں محل سے باہر آتی ہیں۔ وہ کسی عورت کی تلاش میں ہیں جو آسیہ کے بیٹے کو دودھ پلائے۔ وہ گھر گھر جاتی ہیں۔ ہزار جتن کرتی ہیں۔ مگر بے سود۔ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں لیتا۔ مریم بچی ہے۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

مریم سوچتی ہے کیوں نہ انہیں اپنی ماں کا پتہ بتائے۔ مگر نہیں یوں تو موسیٰ قتل ہو جائے گا۔ کچھ دیر وہ اسی کشمکش میں رہتی ہے آخر فیصلہ کرتی ہے کہ جس خدا نے اسے آج تک محفوظ رکھا وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔

وہ اپنے حواس پر قابو پاتی ہے۔ اپنی ساری قوت سمیٹتی ہے۔ ایک کنیز سے بات کرتی ہے۔ اس کے لہجے میں اعتماد ہے۔ وہ لاتعلق سی ہو کر کہتی ہے۔

''کیا میں تمہیں پتہ دوں ایسے گھر کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہونگے''۔ (القصص)

لوگوں کو شک گزرتا ہے کہیں یہ اس کی بہن تو نہیں۔ وہ اسے پکڑ لیتے ہیں اور اس سے پوچھ گچھ شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں کا جم غفیر ہے۔ سب کو یہی شک ہے کہ ہو نہ ہو بچی کچھ چھپا رہی ہے۔

مگر بچی کم سن ہونے کے باوجود بڑی سنجیدگی اور متانت سے جواب دیتی ہے۔

کوئی ایسی بات نہیں۔ تم بے وجہ شک کر رہے ہو۔ مجھے تو محض تمہاری خیر خواہی مقصود ہے۔

مگر لوگ بضد ہیں کہ نہیں تو اس کے گھر والوں کو جانتی ہے۔

بچی نفی میں سر ہلاتی ہے۔ اور کہتی ہے:

مجھے نہیں پتہ کہ یہ بچہ کس کا ہے۔ ہاں یہ جانتی ہوں کہ جس گھر کا میں پتہ بتا رہی ہوں وہ نہایت شریف لوگ ہیں۔ بڑے شفیق اور رحم دل واقع ہوئے ہیں۔ بلاشبہ فرعون کی

خاطر وہ اس بچے کی خبر گیری میں پوری دلچسپی لیں گے اور ہر طرح سے اس کی بہترین پرورش کی ذمہ داری نبھائیں گے۔

ایک جم غفیر بچی کے پیچھے پیچھے چلتا آ رہا ہے۔''ام موسیٰ'' اپنی گھر میں اکیلی ہیں۔ وہ بچے کی جدائی کے صدمے سے نڈھال ہیں۔ اسے کیا خبر کہ چند لمحوں بعد اس کی اجڑی گود پھر سے آباد ہو جائے گی اور اس کا پیارا بیٹا اس کو واپس مل جائے گا۔

دروازہ کھلتا ہے۔ ماں اپنے بچے کو دیکھتی ہے۔ اور ایک چیخ اس کے اندر سے بلند ہوتی ہے مگر خوف اور احتیاط کی وجہ سے لبوں پر دم توڑ دیتی ہے۔ وہ آگے بڑھتی ہے۔ بازو وا کرتی ہے دیوانہ وار بچے کو سینے سے چمٹا لیتی ہے۔

لوگ حیران ہیں۔ سینکڑوں دودھ پلانے والیاں آئیں اور سب ناکام رہیں۔ مگر یہ عورت گویا اس کی ماں ہے۔ دیکھو کیسے اپنی دایہ کے سینے سے چمٹا دودھ پی رہا ہے۔ گویا کہ کسی پیاسے کو میٹھا گھاٹ مل گیا ہو۔ سب لوگ خوش ہیں۔ موسیٰ دودھ پی کر سیر ہو چکے ہیں۔

لوگ ان ماں بیٹا کو لیکر آسیہ کے پاس آتے ہیں۔ اور ماجرہ کہہ سناتے ہیں۔

آسیہ بڑی خوش ہے کہ اس کے متبنی کو اچھی دایہ مل گئی۔ ماں خوش ہے کہ اسے بچھڑا ہوا بیٹا مل گیا۔

ملکہ حکم دیتی ہے:

اے دایہ! تجھے محل میں ٹھہرنا ہوگا اور اس بچے کی پرورش کی ذمہ داری نبھانا ہوگی۔

نہیں! مالکن ایسا ممکن نہیں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں اگر یہاں رہوں گی تو بچوں اور گھر کا کیا ہوگا۔ میں چاہتی ہوں تیرے بچے کو اپنے گھر لے جاؤں۔ اطمینان رکھیے میں اس کی پوری خبر گیری کروں گی اور اس کی پرورش میں پوری تن دہی دکھاؤں گی۔

حیرانی ہوتی ہے کہ والدہ موسیٰ نے یہ موقف اختیار کیا۔ ایک ماں نے اپنے بیٹے کی دایہ کی حیثیت سے بادشاہ کے محل میں رہنے سے انکار کر دیا۔ مگر تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ام موسیٰ جانتی ہیں کہ اس کی بات سنی جائے گی۔ کیونکہ بچہ کسی اور کا دودھ تو لیتا نہیں۔ وہ جانتی ہے

کہ ملکہ آسیہ بچے سے بے حد محبت کرتی ہے۔ بھلا وہ کیوں دبے کیوں نہ بچے کو اپنے ساتھ گھر لے جانے پر مصر ہوں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ام موسیٰ کو بچے کی حفاظت مقصود ہے۔ ممتا کا جذبہ شدید ہوتا ہے محبت کی کیفیات چھپتی نہیں۔ محل کی نظروں سے وہ خائف ہے۔ چاہتی ہے کہ اس خوف وہراس کی فضا سے دور، جاسوسوں کی نظروں سے اوجھل اپنے گھر میں اپنے جگر کے ٹکڑے کے ساتھ رہے اور بڑے اطمینان سے اپنی ممتا کے شوق پورے کرے۔

محل میں یا تو وہ اپنے پیاسے جذبوں اور ممتا کے شوق کو لگام دیتی اور یہ ماں کیلئے بے حد مشکل ہے۔ یا پھر محبت وارفتگی کا کھل کر اظہار کرتی۔ اور اس سے راز فاش ہوتا اور ننھے موسیٰ دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جاتے۔

وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پرامید تھی۔ وہ اس کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکی تھی۔ اللہ کریم نے کہاں کہاں اس کے بچے کی حفاظت نہ فرمائی وہ جانتی تھی کہ میں رسوا نہیں ہوں گی ء۔ بچہ مجھے مل جائے گا۔ اور میں پر سکون اپنے گھر میں ممتا کے سب شوق پورے کروں گی۔

ثعلبی لکھتے ہیں:

''ام موسیٰ کو اللہ کریم کا وعدہ یاد تھا۔ اس لیے وہ فرعون کی بیوی کے سامنے ڈٹ گئی۔ اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور بچہ اسے مل جائے گا''۔

فرعون کی بیوی آسیہ کو بچے کی زندگی مطلوب تھی۔ اس لیے اسے سر جھکانا پڑا۔

اس نے اجازت دے دی۔ ام موسیٰ اپنے بیٹے کو بصد مسرت وشادمانی اپنے گھر لائی۔

قرآن کریم کی زبانی اب اس واقعہ کو سینے:

''پس (دریا سے) نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تاکہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم بنے۔ بیشک فرعون، ہامان اور ان کے لشکری خطا کار تھے۔ اور کہا فرعون کی بیوی نے (اے میرے سرتاج!) یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرنا۔ شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا فرزند بنا لیں۔ اور وہ (اس تجویز کے انجام کو) نہ سمجھ سکے اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز

کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تا کہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے اس کے پیچھے پیچھے ہو لے۔ پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے۔ اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے۔ اور ہم نے حرام کر دیں اس پر سارے دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے تو موسیٰ کی بہن نے کہا۔ کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تا کہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو (اور اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور ان کی نشو ونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو'' (القصص)

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

''جواب ملا۔ منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ۔ اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی۔ جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کیے جانے کے قابل تھی۔ یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں۔ پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں۔ پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر۔ پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے اور (اے موسیٰ) میں نے پرتو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تا کہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشا یہ تھا) آئی آپ کی بہن اور کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے) کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے۔ پس (یوں) ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تا کہ (آپ کو دیکھ کر) اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو۔

اس طرح ان نازک ترین حالات میں اللہ کریم نے ام موسیٰ کی دستگیری کی اور بذریعہ الہام انہیں دشمن سے محفوظ رہنے کی ترکیب سکھائی۔ اللہ کریم نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تیرے بیٹے کو تیرے پاس واپس بخیر و عافیت لوٹاؤں گا اور انہیں اول العزم رسولوں میں سے ایک رسول بناؤں گا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب بنی اسرائیل کا محلہ نومولود بچوں کی قتل گاہ بن چکا تھا اور ہزاروں اسرائیلی بچے بے وجہ پیدا ہوتے ہی عدم کی نیند سلا دیے گئے تھے۔

مسیح علیہ السلام کی والدہ قدسیہ

''جب کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ معزز ہوگا دنیا و آخرت میں۔ اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا'' (آل عمران)

مسیح ابن مریم علیہ السلام کو قرآن کریم نے عیسیٰ ابن مریم کا نام دیا ہے۔ مسیحی اسے یسوع کے نام سے پکارتے ہیں۔

تمام ماؤں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس نسبت پر فخر کریں جو نبی مسیحیت کو اپنی ماں سے ہے۔ یہ وہ ماں ہیں جنہیں اللہ کریم نے پاک ٹھہرایا اور دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت بخشی۔

حضرت مریم علیہا السلام کے امومت کے واقعہ کو دینی کتب نے بڑے ہی جذباتی انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ کو ایسے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا کہ ایسے سخت حالات کا سامنا کسی اور عورت کو نہ کرنا پڑا۔ آپ علیہا السلام ایک متدین اور متقی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد گرامی بنی سرائیل کے بڑے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ جب آپ کی والدہ ماجدہ امید سے ہوئیں تو انہوں نے نذر مانی۔ میرے ہاں جو بچہ ہوگا۔ وہ ھیکل کی خدمت کیلئے وقف ہوگا۔ میں اس سے کچھ خدمت نہ لوں گی۔

''جب عرض کی عمران کی بیوی نے اے میرے رب! میں نذر مانتی ہوں تیرے لیے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے۔ سو قبول فرما لے (یہ نذرانہ) مجھ سے بیشک تو ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو) جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے جنا اسے (تو حیرت و حسرت سے) بولی اے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا۔ اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے پھر قبول فرمایا اسے اس کے رب نے بڑی ہی

اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب'' (آل عمران ۳۵۔۳۷)

وجہ یہ تھی کہ حضرت مریم کے والد ان کی صغرسنی میں وفات پا گئے تھے لوگوں میں اختلاف ہوا کہ بچی کی کفالت کا کون زیادہ حقدار ہے۔ قرعہ اندازی ہوئی جس میں حضرت زکریا علیہ السلام کا نام نکلا۔ حضرت ان کی خالہ کے خاوند تھے۔ سوانہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی ذمہ داری پوری کی۔

''یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں۔ ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کیلئے کہ) کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے'' مریم حجرۂ عبادت میں قیام پزیر ہوئیں۔ ایک عرصہ گزر گیا اور وہ وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسرار الٰہی کا امین بنایا۔ اور انہیں تمام عورتوں میں سے چن کر اپنی قدرت کے نشان کا ذریعہ بنایا۔ تنہائی میں جبرئیل آمین حاضر خدمت ہوئے اور کنواری مقدسہ، مطہرہ مریم کو بچے کی پیدائش کی خوشخبری دی۔

''اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا''۔

یہ خبر سن کر مریم پر خوف طاری ہوا۔ حیرت و استعجاب کے عالم میں آسمان کی طرف سر اٹھا کر بارگاہ ایزدی میں عرض کی۔

''کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ جبریل نے کہا یہ بات درست ہے (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لیے معمولی بات ہے اور (مقصود یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی

لوگوں کے لیے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے''

مریم راضی برضا ہوئیں خدائی فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا۔ مگر جب حمل کی گرانی محسوس ہوئی تو پریشان ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ کسی مرد نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ حجرۂ عبادت میں رہی ہیں۔ لوگوں میں اس کے زہد و ورع کا چرچا ہے۔ جب بن باپ کے بچہ پیدا ہوگا تو فضیحت ہوگی۔ کون اس کے کہنے پر اعتبار کرے گا۔ سب اسے گناہ کا ثمرہ قرار دیں گے۔ پریشانی کے عالم میں آبادی سے دور چلی گئیں۔ یہاں کوئی نہیں تھا کھیت کھلیان سے دور چراگاہیں تھیں۔ ریوڑوں کی آمد و رفت تھی یا پھر چرواہوں کے درد بھرے نالے۔ آخر بچے کی پیدائش کا وقت قریب آ گیا۔ دردزہ شروع ہوا۔ آپ نے کھجور کے تنے سے ٹیک لگا لی۔ اور عالم بیچارگی میں بغیر کسی دایا کی دیکھ بھال کے بچے کو جنا۔ مائیں بچوں کی پیدائش پر خوش ہوتی ہیں اور زچگی کی تکلیف بھول جاتی ہیں۔ مگر مریم کے احساسات مختلف تھے۔ وہ فضیحت کے خوف سے مری جا رہی تھیں۔ کہنے لگی۔

''کاش میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی'' مریم بچے کو اٹھائے اپنی برادری والوں کے پاس آئیں۔ وہ ہوا جو ہونا تھا۔ نومولود بچے کو کنواری مریم کی گود میں دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی''۔

لوگ جانتے تھے کہ مریم عفت ماب ہے۔ مگر ان حالات میں سب زبانیں گنگ ہو گئیں۔ کسی نے مریم کی حمایت و سفارش نہ کی۔ لوگ طعن و تشنیع کے تیر برساتے رہے۔ گالیاں دیتے رہے۔ نومولود کے معجزات بھی ان کو خاموش نہ کر سکے۔

دیکھنے والوں نے مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ گناہ کا ثمرہ کہا۔ بہتان عظیم باندھا۔ مریم استقامت سے سب رنج و غم سہتی رہیں کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تلخ و صبر آزما سہی مگر بندے کا کام راضی برضا رہنا ہے۔ مریم صبر و رضا کا مجسمہ تھیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل یقین تھا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ بڑی بزرگی کا حامل ہوگا۔ لوگ اس کی ذات

سے ہدایت ونور حاصل کریں گے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مریم اپنے بچے کو لیکر مصر تشریف لے گئیں۔ وہ اپنے بچے کو دنیا داروں کی نظروں سے بچانا چاہتی تھیں۔ ''وہ مصر میں بارہ سال تک قیام پزیر رہیں۔ سوت کات کر گزارا کرتیں۔ لوگ فصل کاٹ چکتے تو بالیاں چنتیں۔ اور بچے کا پنگھوڑا کندھے سے لٹکائے رکھتیں۔ اپنے نور نظر کو ایک لمحے کیلئے بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیتیں'' (۱)

بچہ جب بڑا ہوا تو ''حضرت مریم انہیں خوش نویسوں کے پاس لے گئیں۔ اساتذہ فن کے سامنے بٹھایا۔ مسیح علیہ السلام تعلیم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ رب قدوس کی طرف سے یہ حکم صادر ہوا کہ بچے کو لیکر یروشلیم چلی جاؤ۔ آپ واپس آئیں اور شریعت موسی کے مطابق ہیکل میں سجدہ عبادت بجالائیں'' (۲) دونوں ماں بیٹا ناصرت نامی دیہات میں اقامت گزیں ہوئے۔ مسیح علیہ السلام جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو وحی خداوندی کا نزول شروع ہوا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ کو پیغام الٰہی سنایا۔ آپ نے اپنے بیٹے کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائیں۔

انجیل برناس میں ہے کہ جب یسوع کی عمر مبارک تیس سال ہوئی تو وہ اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ زیتون کی لکڑیاں چننے کیلئے زیتون کی پہاڑی پر گئے۔ جہاں ان پر وحی کا نزول ہوا اور انہیں بتایا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کی طرف نبی مرسل ہیں۔ آپ نے اپنی والدہ پر انکشاف کیا اور فرمایا۔ امی جان! مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بزرگی کیلئے ایک بھاری بوجھ ڈالا جارہا ہے۔ آپ کے ساتھ رہ کر اور آپ کی خدمت کر کے میں یہ فریضہ سرانجام نہیں دے سکتا۔

مریم نے جواب دیا۔ بیٹا! تیری پیدائش سے پہلے مجھے یہ سب کچھ بتادیا گیا تھا جا اپنا فرض ادا کر۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کر۔ اسی دن سے یسوع علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ

---

(۱) العرائس از ثعلبی: ۲،۴۔

(۲) ایضا (لوقا باب ۲ میں یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ مگر ثعلبی کے بیان سے قطعی مختلف ہے۔ مریم اور یوسف واپس آتے ہیں۔ بھیڑ میں یسوع رہ جاتا ہے۔ وہ تلاش کرتے ہیں۔ دیکھتے کہ ہیکل میں استادوں کو اپنی حکمت سے حیران کر رہا ہے۔

سے جدا ہوئے اور دینی فریضہ کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے''۔ (انجیل برناس) (۱)

اپنے بچے کے ساتھ تیس سال گزارنے کے بعد مریم نے اپنے بچے کو الوداع کہا۔ یسوع دینی فریضہ کی ادائیگی کے لیے ماں سے اجازت لیکر چل دیے اور قریہ قریہ تبلیغ کی مگر نہیں مدتوں گزرنے پر بھی وہ اب بھی اکٹھے ہیں۔ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔

''ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو اپنی قدرت کی علامت بنایا''

''ہم نے مریم اور ان کے بیٹے کو جہان والوں کے لیے نشانی بنایا''

انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کے تذکرہ کے بعد اب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا ذکر خیر ہوتا ہے جنہیں مصطفی کریم کی والدہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ یتیم پیدا ہوئے۔ تمام انبیائے کرام کے خاتم ٹھہرے اور ان پر وحی و رسالت سماوی کا اختتام ہوا۔

---

(۱) یہ واقعہ نص قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ سورۂ مریم میں ہے۔ ''وہ ماں جس نے اپنے بیٹے کی نگہداشت کی۔ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچا تو ماں سے الگ ہوا کہ تیری خدمت فرض تبلیغ میں رکاوٹ ہے۔ کم از کم حضرت مسیح علیہ السلام جیسے بزرگ اور اللہ کے نبی سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنی بوڑھی ماں کو چھوڑ دیں۔ انجیل برناس میں بہت سی عبارتیں ایسی ہیں جو قرآن سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس کتاب پر اندھا اعتماد مناسب نہیں۔

حصہ دوم

☆ ماحول اور وراثت

☆ بیت اللہ شریف

☆ بنوزہرہ

البیت العتیق

"اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجودہ کرنے والوں کے لیے اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئینگے آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے ۔ (اعلان کیجئے) تا کہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی و دنیوی) فائدوں کے لیے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں" (سورۃ الحج)

میں حاضر ہوں! یا اللہ میں حاضر ہوں!

یہ وہ ابدی نعرہ ہے جو آفاق کی وسعتوں میں عرصہ دراز سے گونج رہا ہے کروڑوں لوگ دور دراز علاقوں سے اس بیت مقدس کی زیارت کے لیے جوق در جوق آتے ہیں خلیل علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور دریتیم نبی عربی کے بلاوے کا جواب دیتے ہیں جنہیں آمنہ بنت وھب نے عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم کے گھر میں آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے جنا تھا۔

اے زمانے کے سننے والے کانو!
اے دھر کی دیکھنے والی آنکھو!
تم نے عبادت گزاروں کی کتنی بولیوں کو سنا؟
یہاں آنے والے کتنے چہروں کو دیکھا؟
بشریت کے کتنے رنگوں کا مشاہدہ کیا؟
اپنے سامنے کتنے جھنڈے لہراتے دیکھے؟

کالے پہاڑوں سے گھری اس چٹیل وادی میں موجود اس گھر کو جب سے امن کا گہوارہ اور حرم و پناہ گاہ بنایا گیا ہے کتنی گردنیں خم ہوئیں۔

خوف کے مارے کتنے دل مطمئن ہوئے۔ یہ وہ مقدس گھر ہے جہاں قاتل کو معافی مل جاتی ہے اور زندگی کی حفاظت ہوتی ہے جو صحراء کی شریعت اور ہلاکت کے شوق میں مباح سمجھی جاتی تھی۔

''بیشک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا، ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لیے'' (آل عمران)

اے تاریخ کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے والے! بشریت کے کتنے ادوار تجھ پر گزر چکے۔ اس سے پہلے کہ صحراء میں سفر کرنے والے اس مھیب چٹیل وادی اور دور دراز تک پھیلے ہوئے وحشت ناک بیابانوں کا کنارہ پاتے مکہ کے جوار میں پناہ گزیں ہوتے۔ اس گھر سے حمایت اور مدد طلب کرتے ہوئے ٹھہرتے۔ اور کچھ طمانیت حاصل کرتے تاکہ بیابانوں اور چٹیل میدانوں کے کناروں کو عبور کرتے ہوئے کٹھن راہوں اور خوفناک سفروں میں یہ طمانیت ان کی مددگار ثابت ہو۔

نہ جانیں کتنے زمانوں اور عرصوں سے وسیع و عریض صحراء میں موجود یہ خطہ عبادت گاہ کے درجہ رکھتا ہے۔ یہ خطہ مبارکہ لوگوں کے درمیان وجہ دوستی اور ذریعہ قربت ہے۔ وہ حج کی خاطر دور دراز علاقوں سے سفر کرتے ہوئے آتے ہیں اور گریہ وزاری کرتے ہوئے اس خانہ خدا کی پناہ لیتے ہیں سوائے ایک جگہ کے ساری دنیا ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور سوائے ایک گھر کے تمام گھروں میں انہیں پناہ حاصل نہیں ہوتی۔

اے زمانہ یہ کیسے ہوا کہ ''مکہ'' قافلوں کے لیے ایک چھوٹے سے دائرہ سے پھیل کر شمال و جنوب سے آنے جانے قافلوں کے لیے ایک وسیع قیام گاہ ٹھہری۔ موسم حج میں جہاں ان گنت لوگ آتے تھے۔ زمانہ قدیم سے مشرق و مغرب سے وفد پے در پے اس کا سفر کرتے تھے یہاں سفر کا واحد ذریعہ اور ملنے کا واحد سبب اونٹ ہوتے تھے۔

یہ سرزمین دنیا کے دوسرے علاقوں کے باہمی تعلقات میں کیسے شریک ہوئی؟ جب اس کے اردگرد کی ضیا حرکت پذیر ہوگئی۔ اور زندگی میں زیب و زینت آ گئی۔ مشرق سے فارس، ھند، چین، جنوب سے یمن، احباش اور مغرب سے مصر اور وادی نیل کے لوگ آئے۔ اور اس نے ان تمام کو بحر احمر اور بحر ابیض کے راستے واپس بھیجا۔

اے زمانے تیرے سواء کوئی نہیں جو ہمیں ان حالات سے آگاہ کرے جن حالات نے دینی معنیٰ کو چٹیل وادی کے قلب میں واقع اس قطع ارضی میں شان و شوکت بخشی اور اسے ایک تصور سے عملی شکل باہم پہنچائی۔ حتیٰ کی پورے عرب کے لیے یہ جگہ مرکز ان کے خوابوں کا مطاف اور وجہ اتحاد و اتفاق قرار پائی۔ اس کے دامن میں اجتماعیت اور عدل و انصاف پروان چڑھے جن کی بدولت انسان کو امن و آسائش کی زندگی میسر آئی۔ ورنہ اس دور کی بدوی طرز زندگی میں ظلم و ستم گویا فرض کی حیثیت رکھتا تھا۔

عرب کی مکتوبہ تاریخ اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے اور بڑے جذباتی انداز میں بیان کرتی ہے۔ اس واقعہ کو بیان کرنے میں مجلّات و استفارہ تحریر ہوئے۔ اور قوم نے ان تحریروں پر مکمل اعتماد کیا اور ان کی طرف سے بالکل مطمئن رہے اس بارے علمی تحقیق کا انداز فکر جو بھی ہو قبل از اسلام کے جزیرہ عرب کے حالات معلوم کرنے کیلئے ہم ان تحریروں کو مصدر کی حیثیت دیتے رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس دوسرا کوئی مصدر نہیں جو ماضی کی تاریخ کو ہمارے لیے بیان کرے۔ اس لیے ان نقل شدہ روایات پر اعتماد کیے بغیر ہم اس دور کے حالات معلوم کرنے سے قاصر ہیں۔

کچھ مرویات ایسی ہیں جن کی توثیق قرآن کریم سے ہوتی ہے۔ کچھ مرویات ایسی ہیں جنہیں آحادیث و اثار صحابہ صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور روایت و نقل کے ادق اصول و ضوابط پر پرکھنے کے باوجود ان کی صحت متاثر نہیں ہوتی۔ ان شواہد و آثار کے علاوہ مکی معاشرت نے جن تغیرات کا مشادہ کیا ان کی واضح صورتوں کی معرفت پر بھی ہم اعتما کریں گے۔ اور ان کی روشنی میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کو جاننے کی کوشش کریں گے جنہوں نے حضرت خیر البشر جیسی شخصیت کو جنا مکہ کی دینی تاریخ کے آغاز کے بارے مختلف خیالات ہیں۔

کچھ لوگ اسے ''شیث بن آدم'' سے شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تاریخ کے یہ بعید لمحے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ ہم اس کے بارے کچھ نہیں جانتے۔ ہاں اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ جگہ قافلوں کا پڑاؤ تھی۔ اور جزیرہ عربی میں رہنے والے شمال و جنوب کے لوگوں کے درمیان اسے ایک بازار کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ یہاں آتے۔ کچھ دن ٹھہرتے۔ باہمی لین دین کرتے اور پھر یہاں سے کوچ کر جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں یعنی ابراہیم علیہ السلام کی آمد اور اسماعیل کے قیام سے پہلے اسے عبادت گاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ مگر مرور وقت کے ساتھ ساتھ توحید کے صافی چشمہ کی تہہ میں وثنیت اور بت پرستی کی تلچھٹ آ گئی۔ لوگ خداوند قدوس کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرنے لگے۔ طوفان نوح سے پہلے یہاں بھی بت پرستی ہونے لگی۔ ان روایات کی توثیق قدرے قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ اور دور جاہلیت کی تاریخ ان واقعات کی صحت کی تائید کرتی ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

''بیشک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا، ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لیے'' (آل عمران)

قوم نوح اور ان کی بت پرستی کے بارے فرمایا:

''اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث یعوق اور نسر کو''

آیت میں جن بتوں کا تذکرہ ہے طوفان سے قبل یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔ طوفان نوح سے یہ لوگ تو نیست و نابود ہو گئے مگر ان بتوں کے نام بدستور بت پرستوں میں چلتے رہے۔ پانچ بڑے بت قبل از اسلام عرب میں جن کی پرستش ہوتی تھی یہی بت تھے جن کا تذکرہ آیت کریمہ میں ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا۔ آپ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو یہاں لائے۔ اس سے مکہ، بیت اللہ شریف اور عرب کی جدید تاریخ کا آغاز ہوا۔

یہ سب باتیں قرآن کریم میں موجود ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اس وادیٔ غیر ذی ذرع میں آ کر ٹھہرے جہاں آثار حیات ناپید تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ لوگوں کے دل ان کی اولاد کی طرف پھیر دے جنہیں وہ بیت الحرام کے نزدیک چٹیل میدان میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے عبادت گزاروں، حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لیے اسے پاک صاف کیا یہ سب باتیں قرآن کریم نے تفصیل سے بیان کی ہیں۔

لبیک اللھم لبیک کی صدائے دل نواز اسی دور مقدس سے آج تک اطراف عالم میں گونج رہی ہے۔ اور مکہ کی وادیاں، پہاڑی نالے اس دعاء کا جواب دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ بلند و بالا پہاڑ جھک گئے اور عرب کے بادیہ نشینوں، سخت مزاج بدوؤں اور زعماء کی گردنیں جھک گئیں۔

اسی لیے اس گھر کی حرمت کے بارے لوگوں نے لکھا اور کتابوں پر کتابیں تصنیف ہوتی گئیں۔ قدیم مؤرخین لکھتے ہیں کہ شروع سے اس گھر کو عزت و توقیر حاصل رہی ہے۔ زمانے بیتے۔ تاریخ نے عروج و زوال کے سینکڑوں نقش دیکھے مگر اس گھر کی توقیر، قدر و منزلت اور شان میں کوئی فرق نہ آیا۔

''بنو جرہم'' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسرال والے کعبہ شریف کے متولی رہے۔ مکہ کے گرد و نواح میں ان کی آبادی جب بہت بڑھ گئی تو بنی اسماعیل الگ ہو گئے اور مکہ شریف کی ولایت بنو جرہم کے حصہ میں آئی۔ بنی اسماعیل چاہتے تو تولیت کعبہ کا منصب اپنے ہاتھ میں رکھتے مگر انہیں اپنے ننھال کی خاطرداری مطلوب تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس منصب کے لیے اپنے سسرالی خاندان سے جھگڑا کریں۔

اب بنو جرہم آزاد تھے۔ سرخ و سفید کے بغیر شرکت غیرے مالک تھے۔ کعبۃ اللہ شریف کی تولیت کا تقاضا تھا کہ حجاج کی خدمت کی جائے اور انسان دوستی کو فروغ دیا جائے۔ مگر بنی جرہم ظلم و تعدی پر اتر آئے۔ کعبہ شریف کی فتوحات پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں ''مکہ ظلم و ستم کو برداشت نہیں کرتا۔ یہ شہر ظالم کو نکال باہر کرتا

ہے۔ اسی لیے کوئی کشور کشا اس کو فتح نہیں کر سکا۔ جو بھی آیا، جس نے اس کی حرمت کو پامال کرنے کا ارادہ کیا وہ نیست و نابود ہوا۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی بدخواہ آیا اور اس شہر نے اسے ہلاک نہ کیا۔

بنو جرھم کے جابرہ بھی ذلیل وخوار ہوئے۔ اور اس شہر مقدس نے انہیں اپنی مقدس زمین پر نہ رہنے دیا۔ ایک شاعر ان کی تباہی پر مرثیہ خوانی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وقائلة والدمع سكب مبادر	وقد شرقت بالدمع منها المحاجر
كان لم يكن بين "الحجون" الى الصفا	انيس ولم يسمر بكمة سامر
فقلت لها والقلب كانما	يلجلجه بين الجناحين طائر
بلى نحن كنا اهلها فازالنا	صرف الليالى والجدود العواثر
وكنا ولاة "البيت" من بعد نابت	نطوف بذاک "البيت" والخير ظاهر
فاخرجنا منها المليک بقدرة	کذالک یا للناس تجری المقادر
فسحت وموع العين تبكى لبلدة	بها حرم امن وفيها المشاعر

کتنے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ بہت خونریزی ہوئی۔ اور پتھر خون سے تر بتر ہو گئے۔

گویا حجون اور صفا کے درمیان کوئی مونس وغمخوار نہ رہا۔ اور مکہ میں ایک بھی قصہ گو نہ بچ پایا۔

میں نے انہیں جواب دیا۔ میرے پہلو سے دل نکلا جا رہا ہے۔ گویا وہ تو گرفتار پرندہ ہے جو پر پھڑ پھڑا رہا ہے۔ ہاں ہم مکہ کے باسی تھے۔ مگر گردش دوراں، زمانے کی ٹھوکروں اور مصائب و آلام نے ہم سے عزت چھین لی۔ ہم ''نابت'' کے بعد بیت اللہ شریف کے متولی تھے۔ ہم طواف کرتے تھے اور بھلائی ظاہر تھی۔

مالک مطلق نے ہمیں اپنی قدرت سے در بدر کر دیا۔ اے لوگو! اسی طرح قسمت کے لکھے سامنے آتے ہیں۔

آنکھوں سے آنسو کی یہ جھڑیاں اس شہر مقدس کی جدائی کی وجہ سے ہیں۔ وہ شہر جس میں اللہ کا گھر ہے۔ جو حرم ہے۔ امن کی جگہ ہے اور شعائر اللہ میں سے ہے۔

تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ ''تبع الحمیری'' یمن جاتے ہوئے مکہ مکرمہ سے گزرا۔

ھذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کے قبیلہ کے کچھ لوگ اس کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ بادشاہ!

یہاں مکہ میں ایک گھر ہے جس میں بے انتہاء مال و دولت ہے۔ آپ سے پہلے یہاں سے گزرنے والے بادشاہ اس سے بے خبر رہے۔ اس گھر میں بے شمار قیمتی موتی، زبرجد، سونا اور چاندی ہے۔

بادشاہ ان کی باتوں میں آ گیا اور کعبہ شریف کے درپے نقصان ہوا درحقیقت یہ لوگ اس کی تباہی چاہتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس گھر کو نقصان پہنچانے والا نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

سہیلی کے بقول تبع نے بیت اللہ شریف کو ویران کرنے کا قصد کیا تو وہ ایک عجب بیماری میں مبتلا ہوا۔ اس کے سر سے خون اور پیپ جاری ہوئی۔ بدبو کے بھبھو کے اٹھنے لگے۔ کوئی نزدیک جانے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ایسی بادسموم چلی جس نے اس کے ہاتھ اور پاؤں مفلوج کر دیے اور اس کے لشکروں کو دن کے وقت بھی کچھ سجائی نہ دیتا تھا۔ قیافہ شناس اور اطباء بلائے گئے۔ بادشاہ کی حالت دیکھ کر سب ڈر کے مارے کانپ اٹھے۔ کسی کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔

دو یہودی عالموں کو معلوم ہوا تو آئے اور پوچھا کہ کہیں بادشاہ اس گھر کو نقصان پہنچانے کا قصد تو نہیں رکھتا تھا۔ انہیں نبی مضر کی تجویز سے آگاہ کیا گیا۔ عالم چیخ اٹھے۔

سرکار! یہ بدخواہ تجھے اور تیرے لشکر کو ہلاک کرنا چاہتے تھے ہماری نظر میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا گھر نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بنایا ہو۔ اگر تو اس کو منہدم کرنے کے ارادہ سے باز نہ آیا تو خود بھی ہلاک ہو گا اور لشکر کو بھی نیست و نابود کر دے گا۔

پھر ان یہودی عالموں نے اسے نصیحت کی۔ بیت اللہ شریف میں حاضری دیجئے۔ دوسرے لوگوں کی طرح اس کا طواف کیجئے۔ اس گھر کی تعظیم و تکریم بجا لائیے۔ سر منڈوائیے اور جب تک اس کی حدود سے باہر نہیں پہنچ جاتا عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کیجئے۔

تاریخ دان بتاتے ہیں۔ بادشاہ بیماری کی اصل وجہ سمجھ گیا۔ اس نے یہودی عالموں کی نصیحت پر عمل کیا۔ پھر ہذیل کے لوگوں کو بلایا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں صلیب دی۔ بڑی عاجزی وانکساری سے بیت اللہ شریف میں حاضر ہوا۔ قربانی کی، حلق کرایا حد مکہ میں چھ دن تک مسلسل لوگوں کی خدمت کرتا رہا۔ اونٹ ذبح ہوتے، شہد پلایا جاتا، اور لوگوں کی خاطر تواضع ہوتی۔ جب بادشاہ یہاں سے روانہ ہونے لگا تو اس نے از راہ تکریم کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا۔

کہا جاتا ہے کہ کعبۃ اللہ شریف کی تعظیم وتکریم کی برکت سے وہ صحت یاب ہو گیا اور اس کی سب تکلیف دور ہو گئی۔

سہیلی اس واقعہ پر تنقید کرتا ہے اور کہتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

''اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب'' (الحج:۲۵)

اس واقعہ سے متعلق تبع کے کچھ اشعار روایت کیے جاتے ہیں وہ کہتا ہے۔

وکسونا البیت الذی حرم اللہ   ملاء منضدا وبروداً
ونحرنا بالشعب ستة الف   فتری الناس نحودهن ورودا
ثم سرنا عنه نؤم سهیلا   فرفعنا لواء نا معقودا (۱)

''اور ہم نے اس گھر پر جسے اللہ تعالیٰ نے مقدس ٹھہرایا نہایت قیمتی اور خوبصورت غلاف چڑھایا ہے۔

ہم نے اس وادی میں چھ ہزار جانور ذبح کیے۔ تو ہوتا تو دیکھتا کہ لوگ جوق در جوق اس ضیافت میں شریک ہوئے۔

پھر ہم واپس لوٹے تو ہمارے جھنڈے لہرا رہے تھے۔''

۱ تفصیل سیرت ابن ہشام میں ملاحظہ کیجیے۔ جز واول اور تاریخ ابن اثیر جزء ثانی سیرت ابن ہشام میں سبیعۃ بنت الاجب النصریہ کا قصیدہ بھی ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے خالد بن عبد مناف بن کعب التیمی المری کی شان میں لکھا۔ وہ اس قصیدہ میں اپنے بچے کو تلقین کرتی ہے کہ مکہ کی تعظیم کرے اور اس پر بغاوت نہ کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تبع کے واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ دیکھئے نسب قریش ص ۲۹۳ الصاہل والشاحج ص ۵۳۰۔

اصحاب فیل کا واقعہ عنقریب ہم بیان کریں گے۔ اسے بھی اللہ کریم نے ہلاک کیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ واقعہ اس سال رونما ہوا جس سال حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ امید سے تھیں۔

اہل عرب کے نزدیک کعبۃ اللہ کو کیا تقدس اور احترام حاصل تھا۔ اس کی صحیح تصویر دیکھنی ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ یہ حدیث پڑھیے آپ فرماتی ہیں ہم سنتے آئے ہیں کہ دور جاہلیت کے بت ''اساف'' اور ''نائلہ'' بنو جرہم کے ایک مرد اور عورت کی مورتیاں تھے ''اساف'' اور ''نائلہ'' نے کعبۃ اللہ شریف میں پیشاب کر کے اس کی حرمت کو پامال کیا۔ اس گناہ کی پاداش میں ان کی صورت کو مسخ کر کے انہیں پتھر بنا دیا گیا۔

ابن اسحاق نے ''سیرت'' میں، کلبی نے ''الاصنام'' اور یاقوت نے اپنی ''معجم'' میں ان مختلف مردوں اور عورتوں کے نام لکھے ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب اساف اور نائلہ سے جا ملتا ہے۔

حرمت کعبہ کے بارے ایک ایسی ہی روایت ہمیں سیرت ابن اسحاق میں ملتی ہے ابن ہشام اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بنی اسماعیل کعبۃ اللہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب وہ سفر پر جاتے تو کعبہ شریف سے کوئی پتھر اٹھا کر ساتھ لے جاتے جہاں پڑاؤ کرتے اس پتھر کو رکھ کر اس کا طواف کرتے۔ رفتہ رفتہ اس عقیدت ومحبت نے شرک کی صورت اختیار کی اور اصنام پرستی شروع ہو گئی۔

اسی حرمت کے باعث زمانہ قدیم کے لوگ نذر مانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر بچے دیے تو اتنا مال و دولت بیت اللہ کی نذر کریں گے۔ یہ قصہ مشہور ہے کہ بنو جرہم کی ایک خاتون نے جو بے اولاد تھی یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نوازا تو اسے کعبۃ اللہ کی خدمت کے لیے وقف کروں گی۔ خود اس سے کچھ کام نہ لوں گی۔ وہ صرف بیت اللہ شریف کی جاروب کشی کرے گا۔ اس کے ہاں بچہ ہوا۔ جس کا نام غوث بن مر بن اد بن طابخہ قرار پایا۔ وہ ایک عرصہ تک اپنے خالہ زادوں کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی خدمت کرتا رہا۔

بنو جرھم کی یہ خاتون اس واقعے کو اپنے اشعار میں یوں منظوم کرتی ہے۔

انی جعلت رب من بنیہ　　ربیطة بمکة العلیہ
فبارک لی بھا الیہ　　واجعلہ من صالح البریہ

”اے میرے رب! میں نے اپنا یہ بیٹا عظمت وجلال والے اس گھر کے لیے وقف کیا۔ کعبۃ اللہ کے طفیل اس نعمت کو میرے لیے بابرکت بنا اور اسے صالح ترین انسان بنا“

ایسے ہی واقعات کی بدولت راوی نقل کرتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عربوں میں کعبہ شریف کو ایک خاص قدر و منزلت حاصل تھی یہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر خانہ خدا کی خدمت بجالاتے اور بعض اوقات اس وجہ سے قبیلوں میں کشت و خون بھی ہوتا۔

بنو خزاعہ اور بنو جرھم کے درمیان بھی لڑائی ہوئی۔ بنو خزاعہ غالب آئے اور انہوں نے بنو جرھم کو مکہ شریف سے نکال دیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ باپ کے بعد بیٹا کعبہ کا متولی ہوتا حتی کہ یہ منصب قصی بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر بن النضر نے بنو خزاعہ سے چھین لیا۔ راجح ترین روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قصی کو ھی قریش کہتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قصی کے والد کلاب فوت ہوئے تو قصی چھوٹے تھے۔

قصی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت سعد ازدیہ نے ربیعہ بن حرام بن ضنۃ العذری سے شادی کرلی۔ اور مکہ سے اپنے خاوند کے پاس چلی گئی۔ زہرہ بن کلاب قصی کا بھائی مکہ میں ہی رہ گیا کیونکہ وہ بڑا ہو چکا تھا۔

قصی غریب الدیار کی حیثیت سے اپنے خاندان سے دور جوانی کی عمر کو پہنچا۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ یہ ربیعہ کا بیٹا ہے۔ ایک دن قصی کی بنی قضاعہ کے ایک آدمی سے لڑائی ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ قضاعی نے اسے عار دلائی اور کہا۔

تو ہم میں سے نہیں۔ تو تو ایسے ہی ہمارے ساتھ چمٹا ہوا ہے قصی سیدھا ماں کی خدمت میں آیا اور باصرار پوچھا کہ میں کس کا بیٹا ہوں۔ ماں نے اسے تسلی دی اور کہا۔

بیٹا۔ اس نے سچ کہا۔ تو واقعی اس خاندان سے نہیں۔ مگر تیرا خاندان اس خاندان سے بہتر اور تیرے آباء واجداد اس کے آباء واجداد سے زیادہ شریف ہیں۔ بیٹا تو قرشی

ہے۔ زہرہ تیرا بھائی ہے۔ تیرے چچیرے مکہ میں رہتے ہیں۔ انہیں بیت اللہ شریف کے پڑوس کا شرف حاصل ہے۔

قصی نے بنو خزاعہ کو خیر باد کہا۔ پیدل مکہ پہنچا۔ اور اپنے خاندان میں اقامت گزیں ہوا۔ شادی ہوئی۔ اللہ نے مال واولاد سے نوازا۔ عزت و وقار نصیب ہوا۔ سبھی لوگ آنکھیں فرش راہ کرتے تھے۔ آپ نے سوچا۔ کعبہ کی تولیت کا حق تو مجھے ہے۔ بنو خزاعہ اور بنو بکر سے کہیں زیادہ میں اس منصب کا حقدار ہوں۔ کیونکہ میں قریشی ہوں۔ اور قریش ہی اسماعیل علیہ السلام کا صحیح وارث ہے۔

قریش اور ان کے مخالف قبائل اور بنو خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان جنگ ہوئی۔ پھر صلح کی بات چیت چلی۔ یعمر بن عوف بکری حکم مقرر ہوئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ واقعی قصی تولیت کعبہ کا زیادہ مقدار ہے اور بنو خزاعہ کی نسبت اس منصب کی زیادہ اہلیت رکھتا ہے۔

تاریخ عرب سے واقفیت رکھنے والے کہتے ہیں کہ قصی کے عہد تولیت سے ایک شاندار دور کا آغاز ہوا۔ بنو خزاعہ اور بنو جرھم کی خدمات قصہ پارینہ بن گئیں۔

کئی نئے وظائف دینیہ اور مذہبی خدمات کا اجراء ہوا۔ حجابہ، سقایہ، رفادہ اور ندوہ کا قیام عمل میں آیا۔ قصی سے پہلے یہ مناسب مفقود تھے۔ قصی ہی نے ان کا اجراء کیا۔ اس طرح بہت سے مناصب دینیہ قصی کے ہاتھ آئے۔ ان کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ان کے خاندان میں چلتا رہا۔ اور کسی کو اختلاف کی جسارت نہیں ہوئی۔

قصی مرتے دم تک مقتدائے عرب رہے۔ لوگ انہیں ایک ایسے دین کی حیثیت دیتے تھے جس کی اتباع کی جاتی ہو۔ کوئی کام ان کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ ان کے تعمیر کردہ ”ندوہ“ کا دروازہ کعبہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔ قریش کے سبھی لوگ اس بیٹھک میں آتے اور مختلف امور پر تبادلہ خیال کرتے۔

قصی بوڑھا ہو گیا، اس کی ہڈیاں کمزور ہو گئیں۔ اب وہ دینی فرائض ادا کرنے سے قاصر تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ بڑے بیٹے عبدالدار کی نسبت لوگ عبد مناف کی زیادہ عزت کرتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جاہتا تھا کہ بڑے بیٹے کو چھوڑ کر یہ مناصب چھوٹے بیٹے کو تفویض

کرے۔ایک دن اس نے اپنے بیٹے عبدالدار سے کہا۔

اے میرے بیٹے! واللہ میں تمہیں قوم کے ساتھ ملاؤں گا۔ وہ چاہے کتنی ہی فضیلت رکھتے ہوں تو عزت وشرف میں ان سے پیچھے نہیں رہے گا۔ پھر قصی نے تمام مناصب اس کے حوالے کیے اور اسے قریش کا سردار مقرر کیا۔

قصی کے وفات کے بعد ایک عرصہ تک بنی عبدالدار دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔حتی کہ مناف بن قصی کے بیٹے عبدشمس، ہاشم، مطلب، نوفل نے بنی عبدالدار کی نسبت اس منصب کے زیادہ مقدار ہونے کا دعوہ کیا۔ان کا کہنا تھا کہ وہ بھی قصی کے پوتے ہیں اور اپنے چچیروں بنی عبدالدار کی نسبت زیادہ عزوشرف کے حاصل ہیں لہذا سقایہ، رفادہ، لواء اور حجابہ کی خدمات ان کے سپرد ہونی چاہئیں۔قریش دوگروہوں میں بٹ گئے۔ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔مگر کچھ خیراندیشوں نے بروقت درمیان میں آکر صلح کرادی اور فیصلہ ہوا کہ میراث پر دونوں کا حق ہے یہ باہم تقسیم ہونی چاہیے۔اس طرح دینی مناصب تقسیم ہوئے۔لواء اور ندوہ بنی عبدالدار کے پاس رہے جبکہ سقایہ اور رفادہ بنی عبدمناف کے حصے میں آئے۔

دینی وظائف بہت سارے تھے۔ کچھ تو پہلے سے چل رہے تھے اور کچھ کا اجراء قصی نے کیا تھا۔شعراء نے ان مناصب کے بارے شعر کہے ہیں۔

''اوس بن تمیم السعدی'' فخر کرتا ہے کہ لوگ اس وقت تک حج نہیں کرتے جب تک ہماری قوم سے اجازت طلب نہیں کر لیتے۔

وہ کہتا ہے:

لایبرح الناس ماحجوا معرفهم — حتی یقال: اجیزوا آل صفوانا

مجد بناه لنا قدما اوائلنا — واورثوه طوال الدهر اخرانا

''جب لوگ حج کو جاتے ہیں تو عرفات کے میدان میں قیام پذیر رہتے ہیں حتی کہ کہا جاتا ہے۔اے ہمارے برگزیدہ خاندان والے اجازت دو۔ یہ وہ شرف ہے جو ہمارے آباء واجداد نے ہمارے لیے حاصل کیا اور بعد میں آنے والی نسلیں اس کی وارث رہیں۔''

بنو مالک بن کنانہ کا ایک شاعر عمر بن قیس دوسرے عربوں پر اپنی فضیلت جتاتے ہوئے کہتا ہے کہ نسئی (ایک ماہ کا اضافہ کرنا) ہماری اجازت کے بغیر ممکن نہیں۔ کہتا ہے۔

لقد علمت معد ان قومی — کرام الناس ان لهم کراما

فای الناس فاتونا بوتر؟ — وای الناس لم نعلک لجاما

السنا الناسئین علی معد — شهور الحل نجعلها حراما

''معد قبیلہ کے لوگ جانتے ہیں کہ میری قوم شریف ترین لوگ ہیں اور ان کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔کون لوگ ہیں جو ہم سے بدلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔کون لوگ ہیں کہ ہم نے ان کے لیے لگام کو نہ چبایا ہو۔ کیا ہم ہی نہیں ہیں جو معد قبیلہ کے لوگوں کے لیے سال میں ایک ماہ کا اضافہ کر کے حلال مہینوں کو حرام بنا دیتے ہیں۔

کیونکہ عرب میں کچھ ایسے مہینے تھے جن میں قتل وغارت۔ فساد خونریزی اور بدلہ لینا حرام سمجھا جاتا تھا۔ہاں اگر کوئی نسئی کا حق رکھنے والا اس میں تبدیلی کر دیتا تو پھر یہ قید اٹھ جاتی تھی۔

پھر عربوں کے نزدیک مکہ میں بعض محفلیں، رسوم اور میلے قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔ جب سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھائی تھیں اور عبادت گزاروں۔طواف کرنے والوں اعتکاف بیٹھنے والوں کے لیے خانہ خدا کو صاف ستھرا کیا تھا اس وقت سے ان کا برابر احترام کیا جاتا تھا۔جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

''اے ہمارے رب! بنادے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بیشک تو ہی بہت قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے'' (البقرہ)

''اور قربانی کے فربہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے۔تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے۔پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر''۔

اور جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات میں بیان کیا ہے کہ بنی اسماعیل کے لوگ حرم پاک کے پتھروں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ سفر میں بطور تبرک بیت الحرام کے پتھر لے جاتے۔ جہاں پڑاؤ کرتے ان پتھروں کو سجاتے۔ ان کا طواف کرتے۔ رفتہ رفتہ عقیدت و محبت نے شرک کا رنگ اختیار کیا اور اصنام پرستی شروع ہوگئی۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے عہد ابراہیم کی بہت ساری چیزوں کو سینے سے لگائے رکھا۔ مثلاً بیت اللہ کی تعظیم، طواف و حج، عمرہ، عرفات اور مزدلفہ میں قیام، قربانی، تلبیہ حج، اہلال، یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا۔ یہ سب چیزیں اب بھی ان میں پائی جاتی تھیں۔

مدتیں بیت گئیں مگر مکہ دلوں کی محبت گاہ اور عربوں کی عقیدت کا مرکز رہا۔ زمین کا کوئی دوسرا ٹکڑا وہ تقدس اور احترام حاصل نہ کر سکا جو اس خطے کو حاصل تھا۔ کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس کے تقدس کو پامال کرتا۔ جب بھی کوئی ایسی کوشش ہوئی تو ناکام رہی۔

اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ اس جزیرہ سے باہر اور اس کے اندر سے کئی مرتبہ کوشش کی گئی کہ یہ تقدس و احترام کسی اور عمارت کو حاصل ہو لیکن بے سود۔ غسانیوں نے حیرہ میں ایک گھر بنایا۔ ابرہہ اشرم نے صنعاء میں ایک گرجا تعمیر کیا اور عرب کے لوگوں کو اس کے حج پر مجبور کیا لیکن دلوں کو موڑنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ تاریخ ان سب واقعات کو بڑی تفصیل سے بیان کرتی ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ان گھروں کے ستون بڑے جاذب نظر تھے۔ ان کی تعمیر میں بلقیس کے محل کے منقش پتھروں کو بھی استعمال کیا گیا تھا۔ یہ گرجا گھر اس محل سے چند فرلانگ کے فاصلے پر تھے۔ بڑے دل آویز ستون تھے۔ بالکونیوں میں حسن و دلکشی کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ سونے اور چاندی کی صلیبیں جگہ جگہ آویزاں تھیں۔ ہاتھی دانت اور صنوبر کی لکڑی سے خوبصورت منبر بنائے گئے تھے۔ سجاوٹ کے لیے بلقیس کے محل کی چیزیں رکھی گئیں تھیں۔

بادشاہ نے اپنے زیر فرماں نجاشی شاہ حبشہ کو لکھا تھا کہ میں نے تیرے لیے ایک گرجا گھر تعمیر کیا ہے اس سے پہلے کسی اور کو یہ توفیق نہیں ہوئی ہوگی۔ میری خوشی اس میں

ہے کہ عرب اس کا حج کریں۔ مگر ہزار کوشش کے باوجود ایسا نہ ہو سکا۔ ابرہہ ہلاک ہوا اور مکہ میں اللہ کا یہ مقدس گھر زاہدوں کا مرجع، عابدوں اور حاجیوں کا قبلہ گاہ رہا۔ لوگ پہلے کی طرح جوق در جوق حضرت خلیل علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دیوانہ وار اس کی زیارت کو آتے رہے۔

دنیا آج بھی مکہ سے پھوٹنے والے جاہ و جلال کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہے۔ اتنی عزت کسی اور شہر کو حاصل نہیں۔ ایسے بھی شہر ہیں جو خوش منظر ہیں، جہاں مال و دولت کی فراوانی ہے اور سبزہ و گل کی چادریں بچھی ہیں مگر وہ سنگلاخ پہاڑوں میں گھرے اس گھر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

شہر مکہ بداوت کے قریب تر ہے۔ اس چٹیل وادی میں نہ سایہ ہے نہ سبزہ۔ نہ پانی کی آبشاریں ہیں نہ جھرنوں کی مترنم آوازیں مگر وہ انسانوں کی آنکھ کا تارا ہے۔ دلوں کی دھڑکن ہے۔ اور اس کی مٹی صاحب بصیرت لوگوں کی آنکھوں کی شفا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے۔ یہ خالصتاً اس کی عبادت کیلئے تعمیر ہوا ہے۔

بیسوی صدی کے ایک مستشرق مکہ مکرمہ کے بارے لکھتے ہیں۔

''صحراء کے قلب میں واقع یہ بے آب و گیاہ وادی ایسے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے، جن پر کوئی درخت اور سبزہ نہیں اگ سکتا۔ ان پہاڑوں نے اسے دنیا کی نظروں سے اوجھل کر رکھا ہے۔ حاجیوں کو مکہ پہنچنے کا اندازہ سڑکوں کو دیکھ کر ہوتا ہے''

''یہ شہر کالے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان واقع ہے''۔ جن کی اونچائی ایک جیسی ہے اور یہ پہاڑی سلسلے میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ یہ ننگے پہاڑ کہیں ختم نہیں ہونگے۔ پہاڑوں سے اتریں تو صحراء کی تمازت اس قدر ہے کہ چند لمحے وہاں گزارنے والا یہ اندازہ نہیں کر سکتا ہے کہ اس کی جھلسا دینے والی گرمی سے بچ پائے گا۔ اس کی پہاڑیوں اور ٹیلوں کی خاموش بلندیوں سے آسمان کی طرف یوں بخارات اٹھتے ہیں جیسے جگہ جگہ تنور لگے ہیں اور ان سے گرمی پھوٹ رہی ہے یا کوئلے دھک رہے ہیں اور ان سے اٹھنے والی گرمی مجسم صورت اختیار کر کے آسمان کو جا رہی ہے''۔

"ہاں کہیں کہیں جب بکھرے ہوئے چند درخت نظر پڑتے ہیں تو زندگی کے آثار محسوس ہوتے ہیں گویا وہ درخت بھی نباتات نہیں بلکہ بے آب وگیاہ وادی میں پتھر ہیں جو سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس علاقہ میں تنہائی ہے۔ وحشت ہے۔ ہو کا عالم ہے۔ کچھ سنائی نہیں دیتا۔ تند و تیز جھکڑ ہیں اور ان کی خوفناک آوازیں"۔

"سفر کرتے ہوئے ایک مسافر اکثر دھوکہ کھاتا ہے ریت کے چمکتے ہوئے ٹیلوں پر نخلستان یا باغوں کے سایوں کا گمان ہوتا ہے۔ مگر تھوڑا سفر کرنے کے بعد یہ امید ناپید ہو جاتی ہے۔ اور ریت کے ٹیلے انسان کی کج فہمی پر خندہ زنی کرتے نظر آتے ہیں۔ وہاں دور دراز تک نخلستان اور باغات نہیں ہوتے جن کے بارے عموماً انسان سوچتا ہے اور امید لگائے چلتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس مقدس شہر میں کچھ بھی نہیں اگتا جھلسا دینے والی سورج کی شدت سے بچنے کا واحد ذریعہ رات ہے۔ صحراء کی رات خاصی پر لطف ہوتی ہے"(۱)

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کے بارے ہماری گفتگو خاصی طویل ہوگئی ہے۔ مگر اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔ یہی وہ ارض مقدس ہے جس میں اس عظیم عورت نے آنکھ کھولی جسے تاریخ غیر فانی ماں کی حیثیت سے جانتی ہے۔

اور اسی ارض مقدس میں وہ شہر ہے۔ جہاں "آمنہ بنت وهب" یعنی دریتیم نبی عربی حضرت محمد ﷺ کی والدہ ماجدہ پیدا ہوئیں۔ اسی سرزمین سے وہ آواز بلند ہوئی جس نے اقصائے عالم کو متوجہ کیا۔ اس حرمت خاصہ نے مکہ میں آپ کی بعثت کی تائید کی۔ اہل اسلام نے خلیل اللہ علیہ السلام کے تعمیر کردہ اس گھر کو قبلہ بنایا۔ وہ جہاں ہوں اسی مقدس گھر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔

ہاں ہاں یہ مکہ ہے۔ یہ امن و آشتی کا شہر ہے۔ اسی شہر میں آمنہ کا لعل پیدا ہوا۔ اسی میں وہ جوانی کی عمر کو پہنچا۔ اسی شہر میں اس کے آباء و اجداد محو استراحت ہیں۔ اسی شہر میں اس کی بعثت ہوئی۔ کل، آج اور آئندہ ہمیشہ ہمیشہ یہی اہل ایمان کا قبلہ رہے گا۔

(۱) الرسول از بوڈلی عربی ترجمہ از السحار۔

بنو زهره

"میں ہمیشہ پاک اصلاب سے طاہر ارحام کی طرف مصفی و مہذب منتقل ہوتا رہا۔ جب بھی یہ خاندان دو شاخوں میں تقسیم ہوا میں ان میں سے بہتر میں منتقل ہوگیا"۔ (حدیث شریف)

چھٹی صدی میلادی کے نصف کا کوئی دن تھا تاریخ جس کا تعین نہیں کرتی۔ اس مقدس سرزمین پر رہنے والے ایک عظیم الشان اور تمام بڑی بڑی دینی خدمات دینے والے قبیلے اور ایک معزز گھرانے کی اولاد نے ایک پھول دیکھا جس کا نام انہوں نے "زهره" رکھا۔ یہ شخص کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی کے گھر سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی نام سے ان کے والد کلاب، ابو زہرہ کنیت کرتے تھے۔ زہرہ کا شفیق بھائی قصی جب تک زندہ رہا اہل مکہ پر حکومت کرتا رہا۔ اور وفات کے بعد قریش کو وہ میراث دے گیا جس میں کوئی دوسرا قبیلہ ان کے مقابل نہ ہو سکا۔ حتی کہ وہ وقت بھی آیا کہ کلاب کے بیٹے اور بیٹی کا پوتا محمد ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ جنہیں زمانے بھر کی اور ابدالآباد تک کی عزت و توقیر حاصل ہوئی۔

زہرہ اور قصی کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت سعد بن سیل ہے جو بنی جدرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جدرہ درحقیقت ان کے دادا عامر بن عمرو الازدی کا لقب ہے۔ انہوں نے کعبہ شریف کو سیلاب سے بچانے کے لیے دیوار بنائی تھی کیونکہ اس سے پہلے یہ خطرہ رہتا تھا کہ کسی وقت سیلاب کعبہ کی عمارت کو بہالے جائے گا اور اس کا تقدس مجروح ہو جائے گا۔ عامر کے بروقت اقدام نے کعبہ شریف کو منہدم ہونے سے بچالیا۔ اسی دیوار (جدار) کی وجہ سے لوگ انہیں جدری کہنے لگے۔ اور ان کی اولاد بنی جدرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ (۱)

ایک شاعر زہرہ اور قصی کے نانا سعد بن سیل کے بارے کہتا ہے۔

مانری فی الناس شخصا واحداً — من علمناه کسعد بن سیل
مافرسا اضبط منه عسرة — واذا ما واقف القرن نزل
فارسا یستدرج الخیل کما — استدرج الحر القطامیالحجل

(۱) المصعب الزبیری: نسب قریش ۲۶۱ ذخائر۔ ابن ہشام حلبی سیرۃ ۱۔ ۱۰۹۔

"جن لوگوں کو ہم جانتے ہیں ان میں ہم نے سعد بن سیل جیسا کوئی نہیں دیکھا جو جنگ کی سختی میں بڑی مضبوطی سے گھوڑے پر بیٹھے اور جب اپنا مدمقابل پائے تو جنگ کرنے کے لیے اتر پڑے۔ وہ ایسا شہسوار ہے جو اپنے گھوڑے کو یوں چلاتا ہے جیسے شکرا چکور کو چلاتا ہے"۔

بنوزہرہ شروع سے بنی عبدالدار کی نسبت بنی عبدمناف سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تذکرہ کر آئے ہیں کہ قصی جب بوڑھے ہوئے اور ان کی ہڈیاں کمزور ہوگئیں تو یہ دیکھ کر انہیں بڑا صدمہ ہوا کہ لوگ عبدالدار کی نسبت عبدمناف کی زیادہ عزت وتکریم کرتے ہیں۔ حالانکہ عبدالدار عمر میں عبدمناف سے بڑا ہے۔ قصی نے عبدالدار کو بلایا اور کہا بیٹا! میں تجھے خاندان میں خصوصی عزت وتوقیر دوں گا۔ بیشک عبدمناف باصلاحیت ہے لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں مگر سردار تو ہی ہوگا۔ تیری اجازت کے بغیر کوئی کعبہ میں داخل نہیں ہوسکے گا۔ قریش جب بھی جنگ آزما ہونے کے لیے جھنڈا بلند کریں گے تو یہ جھنڈا تیرے ہاتھ میں ہوگا۔ مکہ کا ہر باسی تیرا مہیا کردہ پانی پیئے گا۔ حج کے دنوں میں حاجی تیرے دسترخوان سے کھائیں گے۔ ہر فیصلہ تیرے گھر میں ہوگا۔

قریش نے اپنے سردار کی وصیت پر عمل کیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ بنی عبدمناف بن قصی، ہاشم، عبدالشمس، مطلب اور نوفل اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے چچاؤں سے وظائف دینیہ کے طالب ہوئے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ان مناصب کے زیادہ حقدار ہیں۔ قریش دو گروہوں میں تقسیم ہوئے۔ ایک طرف بنی عبدالدار تھے اور دوسری طرف بنی عبدمناف۔ دوسرے قبائل بھی ان کے ساتھ آملے۔

ہر فریق بضد تھا کہ یہ منصب حاصل کر کے رہے گا۔ عہد وپیمان ہوئے قسمیں اٹھائی گئیں۔ بنی عبدمناف کی خواتین خوشبو کا پیالہ لے آئیں بنی عبدمناف اور ان کے حلیفوں نے ہاتھ ڈبو کر قسم اٹھائی کہ جنگ سے پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ پھر تاکیداً خوشبو کے پیالے میں ڈبوئے ہوئے ہاتھ کعبہ شریف سے مس کردیے۔ اسی وجہ سے تاریخ انہیں مطیبین کہتی ہے۔(۱)

(۱) عربی میں خوشبو کو طیب کہتے ہیں۔ مطیبین کا معنی ہے خوشبو میں ہاتھ ڈبو کر قسم اٹھانے والے۔

ادھر بنی عبدالدار اور ان کے حلیفوں نے بھی قسمیں اٹھائیں کہ مقصود کو ہاتھ سے نہیں جانیں دیں گے۔ تاریخ انہیں "الاحلاف" یعنی حلف اٹھانے والوں کے نام سے موسوم کرتی ہے۔

اس موقعہ پر بنوزہرہ بنی عبدمناف کے ساتھ تھے۔ فریقین جب صفیں درست کر رہے تھے تو بنوزہرہ، بنوجمع کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ اور بنوزہرہ رجز پڑھ رہے تھے کہ ہمارا مدمقابل بچ نہیں پائے گا۔

جس طرح بنوزہرہ قلبی طور پر بنی عبدمناف کے پڑوس میں تھے اسی طرح ان کے گھر بھی عبدمناف کے قریب تھے گویا انہیں بنی عبدمناف سے ہر قسم کی قربت حاصل تھی۔ کعبہ کے درودیوار بھی تقسیم ہوئے۔ دروازہ والی سمت بنی عبدمناف اور بنوزہرہ کے حصہ میں آئی۔ حجراسود اور رکن یمانی کے درمیان کا حصہ بنی مخزوم کو ملا۔ کعبۃ اللہ کی چھت جمع اور سہم کے حصے میں آئے اور حجراسود والی سمت بنی عبدالدار کا حصہ قرار پائی۔

بعثت سے بیس سال پہلے حلف الفضول کا واقع پیش آیا۔ اس میں بھی بنوزہرہ بنی عبدمناف کے طرف دار تھے۔ اور انہوں نے عبدمناف کے بیٹوں کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ واقعی یہ بڑے عز وشرف والے حلیف تھے۔

حلف الفضول کے بارے کچھ عرض کردینا ضروری ہے۔ قبیلہ زبیر کا ایک آدمی سامان تجارت لیکر مکہ آیا۔ عاصی بن وائل ایک مکی سردار نے اس سے سامان خریدا اور رقم دینے سے انکار کردیا۔ زبیدی غریب الدیار تھا۔ اس نے بنی عبدالدار اور اس کے حلیف قبیلوں، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی سہم، بنی عدی بن کعب کو بلایا لیکن عاصی کے مقابلے میں اس کی مدد کرنے کو کوئی تیار نہ ہوا۔ زبیدی نے جب دیکھا کہ یہ قبائل تو اس کی مدد نہیں کررہے تو وہ صبح جب قریش کعبۃ اللہ کے اردگرد بیٹھے باہم گفتگو کررہے تھے جبل ابی قبیس پر چڑھا اور بلند آواز سے یہ اشعار پڑھے۔

یا آل فھر لمظلوم بضاعتہ — ببطن مکۃ، نائی الدار والنفر
ومحرم اشعث لم یقض عمرتہ — یاللرجال و بین الحجر والحجر
ان الحرام لمن تمت کرامتہ — ولا حرام لثوب الفاجر الغدر

"اے فہر قبیلہ سے تعلق رکھنے والو! ایک مظلوم سے اس کا سامان مکہ کے مقدس شہر میں لوٹ لیا گیا۔ جو غریب الدیار ہے اور اپنے قبیلہ سے بہت دور۔

ایک بدحال، احرام باندھے شخص سے مال لوٹا گیا جس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔ اے حطیم اور حجر اسود کے درمیان بیٹھے لوگو! میری مدد کرو۔ حرم پاک تو صرف اس کے لیے جائے امن ہے، جس کے دل میں اس کی عزت ہو۔ ایک فاجر اور لیٹرے کے لیے تو حرم کا تقدس کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔"

زبیر بن عبدالمطلب یہ اشعار سن کر فوراً کھڑا ہو گیا اور پوچھا مظلوم کون ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔ تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ ہاشم، زہرہ اور تیم بن مرہ کے لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر اکٹھے ہوئے۔ عبداللہ بنی تیم بن مرہ بن کعب بن لوی سے ہے اور حضرت سیدہ عائشہ کا چچا زاد بھائی ہے۔ عبداللہ بن جدعان کی دعوت پر یہ سب لوگ اس کے گھر تھے۔ کھانے کے بعد یہ قرارداد منظور ہوئی کہ "مکہ مکرمہ میں جس پر ظلم ہوگا وہ جس خاندان سے ہو، جہاں سے آیا ہو ہم اس کی دادرسی کریں گے۔ اور جب تک ظالم سے مظلوم کو حق نہیں مل جاتا آرام سے نہیں بیٹھیں گے"۔

ان لوگوں نے زبیدی کی مدد کی اور عاصی کو مجبور کیا کہ وہ اس کے سامان کی قیمت ادا کرے۔

ابن اسحاق، طلحہ بن عبداللہ الذھری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "میں عبداللہ بن جدعان کے گھر طے پانے والے اس معاہدہ میں شریک ہوا۔ میں قیمتی اونٹوں کی نسبت اس معاہدہ کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اگر ایسے معاہدہ کی طرف آج بھی کوئی مجھے دعوت دے تو میں اس کی آواز پر لبیک کہوں گا"۔

حضرت آمنہ بنت وھب رضی اللہ عنہا کا تعلق اسی قبیلہ بنو زہرہ سے ہے۔ بنی عبد مناف کے ساتھ جس کی محبت معروف و مشہور ہے۔ جس نے ہر کڑے وقت میں عبد مناف کے بیٹوں کا ساتھ دیا۔ جو تمام معرکوں میں اپنے چچیروں کے ہمرکاب رہے۔ جو حلف المطیبین اور حلف الفضول جیسے بڑے معاہدوں میں ہاشم کے ساتھ رہے۔ تاریخ جسے قریش

کے عظیم خاندانوں میں شمار کرتی ہے۔ آمنہ نے اپنے خاندان کے سربزرگی کا وہ تاج سجایا جو حدِ ادراک سے باہر ہے ایسا شرف کوئی دوسرا ابھی بھی نہیں پاسکتا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دادا گرامی کا نام عبد مناف بن زہرہ ہے۔ یہ نام ان کے چچا زاد بھائی عبد مناف بن قصی کے نام پر رکھا گیا۔ تعظیم کی وجہ سے عبد مناف بن زہرہ اور عبد مناف بن قصی کو منافان کہا جاتا ہے۔ حضرت آمنہ کے والد گرامی کا نام وھب بن عبد مناف ہے۔ آپ بنی زہرہ کے سردار تھے۔ (۱) انہیں کے عظمت کو بیان کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے۔

یا وھب یا ابن الماجد بن زھرہ   سدت کلا با کلھا ابن مرۃ

بحسب ذاک وام برہ

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی ماں کی طرف سے بھی کچھ کم شرف وعزت کی مالک نہیں ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ برہ بنت عبدالعزی بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب ہیں۔

آپ کی نانی صاحبہ ام حبیب بنت اسد بن عبدالعزی بن قصی ہیں۔ اور ام حبیب کی والدہ برہ بنت عوف بن عبید بن طویج بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر ہیں۔

اس تفصیل کو ذکر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ایک اصیل اور نجیب خاندان کے گھر کی بیٹی تھیں۔ اور واقعی وہ اس قابل تھیں کہ تاریخ امومت میں اپنا یہ فرض ادا کریں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو وراثت میں بہترین اوصاف و خصائل دیے۔ حضور ﷺ میں منافین یعنی عبد مناف بن زہرہ بن کلاب اور عبد مناف بن قصی بن کلاب دونوں کا عز وشرف جمع کر دیا۔ حضور ﷺ بجا طور پر اپنے نسب پاک پر فخر کرتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

(۱) جمھرۃ الانساب: ص ۱۲۔

لم یزل اللہ ینقلنی من الاَصلاب الطیبۃ الیٰ الار حام الطاھرۃ مصفی مھشبا. لاتشعب شعبتان الاکنت خیر ھما۔

''میں ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک بطنوں میں صاف ومہذب منتقل ہوتا رہا۔ جب بھی ایک خاندان کی دوشاخیں ہوئیں تو میں ان میں سے بہترین شاخ میں آیا''

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے آیت: لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِکُمْ کو(۱) فا کی زبر سے پڑھا اور فرمایا اَنَا اَنْفَسُکُمْ نَسْبًا وَصَھْراً وَحَسْبًا

میں تم تمام میں حسب ونسب اور ننھالی رشتہ کے اعتبار سے بہترین ہوں۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

نسب تحسب العلا بحلاہ ‏‏‏ قلدتہ نجومھا الجوزاء
حبذا عقد سؤدد وفخار ‏‏‏ انت فیہ الیتیمۃ العصماء

''یہ وہ نسب ہے جسے تو بلندی میں وہ زیور گمان کرے گا جو جوزاء برج نے اپنے ستاروں کے گلے میں ڈال دیا ہے۔

کیا ہی سرداری اور فخر کا یہ ہار ہے جس میں آپ ایک بے عیب موتی کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

---

(۱) التوبہ:۱۲۸۔عیون الاثر:۲۳۱،۲۴۔

تیسری بحث

﴿ا﴾ زہرۂ قریش

﴿د﴾ خاندان زہرہ کی دوشیزہ

﴿ح﴾ ہاشمی نوجوان

﴿د﴾ شادی

﴿ع﴾ بشارت

خاندان زهرہ کی دوشیزہ

''آمنہ رضی اللہ عنہا قریش کی افضل ترین خاتون تھیں۔اس دور میں کوئی دوسری خاتون آپ کی سہیم نہیں تھی''۔(ابن اسحاق)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جو سب گھرانوں میں معزز و مکرم شمار ہوتا تھا۔اور حسب و نسب میں کسی کو ان کی برابری کے دعویٰ کی جسارت نہیں تھی۔آپ میں نسب کی اصالت اور حسب کی رفعت دونوں چیزیں شامل تھیں۔ مکی معاشرہ میں کوئی دوسرا ایسا نہیں تھا جو اپنے آباؤاجداد کی شرافت اور خاندانی بزرگی کی بناء پر ان کے مقابلہ میں فخر کرسکتا۔

حضرت سیدہ آمنہ قریش کی کھلتی کلی تھیں۔ بنی زہرہ کے سردار کی لخت جگر تھیں جنہیں نسب و شرافت میں سردار سمجھا جاتا تھا۔آپ نظروں سے بچنے کے لیے پردے کا اہتمام کرتیں۔اور نہیں چاہتی تھیں کہ بنی زہرہ کے سردار کی بیٹی کے بارے لوگ باتیں بنائیں۔حتی کہ اسی پردہ کی وجہ سے روات آپ کی شخصیت کے خدوخال اور آپ کی جوانی کے بارے کچھ زیادہ بیان نہیں کر سکتے۔مؤرخ بس اتنا جانتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب نے آپ کو پیغام نکاح دیا تو ''حضرت آمنہ ان دنوں نسب اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے بہترین دوشیزہ تھیں''۔

اس کلی کی عطر بیز مہک بنی زہرہ کے گھروں سے نکل کر ارجائے مکہ میں پھیل گئی اور ان نوجوانوں کی سب سے بڑی تمنا و آرزو کا روپ دھار لیا جنہوں نے آمنہ کے سواء باقی سب دوشیزاؤں سے بے نیازی اختیار کر رکھی تھے کہ زبانیں ان کے بارے کھلتی ہیں اور آنکھیں انہیں آتے جاتے دیکھتی اور تاڑتی رہتی ہیں۔ بقول بوڈلے ''کئی دوشیزاؤں کا

جنگوں اور خونریز مقابلوں میں فعال کردار معروف تھا جوان دنوں عرب کا من پسند مشغلہ تھا جب کہ کئی دوسری تاجروں اور جؤ ابازوں کی کمائی پر پانی پھیرنے میں اُن کی معاونت پر اکتفا کرتی تھیں۔ سوحساب دان طبائع ان کے شعور و وجدان اور محبت کے جذبوں پر چھائے ہوئے تھے اور بازار کے نرخ کے ساتھ ان کے نرخ بھی اترتے چڑھتے رہتے تھے"۔

آمنہ بچپن سے اپنے چچا زاد عبداللہ بن عبدالمطلب کو جانتی تھیں۔ جیسا کہ خاندان کی بچیاں اپنے رشتہ داروں سے واقف ہوتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خاندانی قربت کے ساتھ ساتھ آل زھرہ ہاشمیوں کے پڑوسی بھی تھے۔ ان دونوں قبیلوں کو محبت کے قدیم عہد و پیمان نے یکجا کر دیا تھا۔ یہ تعلق دونوں بھائیوں قصی اور زھرہ بن کلاب کے دور سے چلا آ رہا تھا اور کسی دور میں بھی اس میں فرق نہیں آیا تھا۔

حضرت آمنہ جوانی سے قبل جب پردہ نہیں کرتی تھیں حضرت عبداللہ سے واقف تھیں۔ دونوں عہد طفولیت میں مکہ کے ٹیلوں اور وادیوں میں ایک ساتھ کھیلتے اور دوڑا کرتے تھے حرم پاک میں جاتے تو بھی اکٹھے ہوتے۔ ان دونوں بچوں کے درمیان بھی ایک تعلق خاطر تھا جو دونوں کو خاندان کے باقی افراد کی طرف ایک دوسرے سے ملنے پر مجبور کرتا تھا۔ کون جانتا تھا کہ بچپنے کا یہ ساتھ دائمی رفاقت میں تبدیل ہو جائے گا۔ بنی ہاشم کے سردار عبدالمطلب اور بنو زھرہ کے سردار وھب ایک دوسرے کے گھر آتے رہتے۔ مختلف امور پر باہم مشورہ کرتے اور قریش کو کوئی مہم درپیش ہوتی تو دونوں سر جوڑ کر بیٹھ رہتے۔ ان کی اس تعلق داری نے خاندان کے دوسرے افراد کو بھی شیر و شکر کر دیا تھا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا جب بڑی ہو گئیں تو پردہ کرنے لگیں۔ حضرت عبداللہ کی عمر بھی شباب کی حدوں کو چھونے لگی۔

مکہ میں مقیم خاندانوں کے جوانوں کی نظریں قریش کی اس کلی پر لگی ہوئی تھیں ہر جوان چاہتا کہ اس بلند اخلاق خاتون کا ہاتھ تھام لے۔ کیونکہ ہر ایک اپنے آپ کو دوسروں کی نسبت اس عزت و تکریم کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا اور اپنے آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ عزت و تکریم اور حسب و نسب کا حامل گردانتا تھا۔

ہاشمی نوجوان

"اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو چنا" (مسلم)

حضرت آمنہ کو سب سے پہلے پیغام نکاح دینے والوں میں حضرت عبداللہ شامل نہیں۔ اگرچہ آپ حسب و نسب میں دوسرے نوجوانوں سے افضل تھے۔ انہیں پیغام نکاح دینے کے زیادہ مستحق تھے۔ اور دوسرا کوئی خاندان بنو ہاشم کے خاندان کا عزت و شرف اور خاندانی وجاہت میں مقابل نہیں تھا مگر پھر بھی حضرت عبداللہ سے پہلے دوسرے لوگوں نے پیغام نکاح دیا۔

حضرت عبداللہ کے والد گرامی حضرت عبدالمطلب بن ہاشم تھے۔ آپ اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ پورا مکہ آپ کی عزت کرتا تھا۔ حضرت ہاشم کی اولاد آپ سے چلی۔ اسی وجہ سے آپ کو اپنے خاندان کے لوگوں میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی رائے کا احترام ہوتا اور خاندان کے چھوٹے بڑے سب لوگ آپ کی عزت و تکریم کرتے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ المخزومیہ تھیں۔ جو خاندان کا گویا جوہر اور اصل تھیں۔ انہیں کے بطن سے ابوطالب، زبیر، عبداللہ۔ حضرت عبداللہ کی جڑواں بہن ام حکیم بیضاء، عاتکہ، برہ، امیمہ اور اروی پیدا ہوئے۔ (۱)

آپ کی دادی جان سلمی بنت عمرو نجاریہ خزرجیہ ہیں۔ یہ وہ خاتون ہیں جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں۔ انہیں اپنی نجابت پر بہت فخر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی قوم میں کسی جوان کو قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے شرط لگائی تھی کہ میں صرف اس آدمی سے شادی کروں گی جو مجھے جدائی کا اختیار تفویض کرے گا کہ جب ناپسند کروں گی تو الگ ہو جاؤں گی۔ (۲)

---

(۱) جمہرۃ الانساب ۱۲، نسب قریش: ۱۷۔ (نسب قریش میں برہ کو غلطی سے مرہ لکھا گیا ہے۔ لیکن ص ۱۸ پر غلطی کی تصحیح کر دی گئی ہے۔)

(۲) السیرۃ الھشامیہ: ۱/۱۴۵

آپ کی نانی صاحبہ تخمر بنت عبدابن قصی قرشیہ ہیں جن کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت عامرہ بن ودیعہ فہر یہ ہے۔(۱)

اور یہ بات کوئی عجیب بھی نہیں کہ حضرت عبداللہ نے پیغام نکاح دینے میں جلدی نہیں کی۔ کیونکہ آپ اپنے باپ کی نذر کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے کہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کو کعبہ کے نزدیک ذبح کرنا تھا۔

سب لوگ جانتے تھے کہ عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے ایک نے قربان ہونا ہے۔ حضرت عبداللہ بھی ان میں سے ایک تھے۔

واقعہ یوں ہے کہ عبدالمطلب کو جب مکہ کی امارت ملی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ زائرین کو پانی نہیں ملتا۔ اور اس سلسلے میں انہیں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ نے بہت غور وفکر کیا لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا اور آپ متفکر رہنے لگے۔

ایک دن اچانک انہیں یاد آیا کہ کعبۃ اللہ کے نزدیک قدیم سے ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ نے ان کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل کو ہلاکت سے بچایا تھا۔ اور اسی چشمہ نے قافلوں کو چرواہوں کے نشانات قدم پر اپنی طرف کھینچا تھا۔ انہیں وہ قصے یاد آئے جو بڑے چھوٹوں کو سنایا کرتے تھے اور محافل و مجالس کی جان سمجھے جاتے تھے۔ انہیں واقعات سے قصہ گو عربوں کی غیرت ایمانی کو جلا بخشتے تھے۔ کیسے بنو جرہم یہاں آباد ہوئے۔ کیسے انہوں نے مکہ کو چھوڑتے وقت اس چشمہ کو دفن کیا۔ حضرت عبدالمطلب چاہتے تھے کہ کسی طریقہ سے اس چشمہ کا سراغ ملے۔ اور پھر سے مکہ والوں کو یہ مبارک پانی میسر آئے۔

جوں جوں آپ غور کرتے رغبت بڑھتی جاتی حتیٰ کہ صبح وشام یہی خیال آپ کے دل ودماغ پر چھایا رہتا۔ ان کا خلوص رنگ لایا۔ خواب میں انہیں بشارت دی گئی کہ آپ کی امید بر آئے گی۔ دل میں یہ بات القاء ہوئی کہ فلاں جگہ کی کھدائی کرو۔ یہ جگہ حرم پاک میں آتی تھی۔

(۱) حضور ﷺ کے ننھال ان کی قوم بنی نجار سے ہیں۔

ابن اسحاق ایک شخص سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے سنا کہ آپ اپنے دادا اور زمزم کے کنویں کے بارے بیان کرتے تھے

”حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں میں حطیم میں سویا ہوا تھا۔ میرے پاس ایک آدمی آیا اور آکر کہنے لگا۔ عبدالمطلب! زمزم کا کنواں کھودیے۔ اگر تو کوشش کرے گا تو ناکام نہیں ہوگا۔ یہ تیرے عظیم باپ کی میراث ہے۔ یہ کنواں کبھی خشک نہیں ہوگا اور نہ کبھی لوگ پانی کی کمی کا شکوہ کریں گے۔ نہ ختم ہونے والے صحراء کی مانند بے شمار حاجیوں کو سیراب کرے گا“(۱)

عبدالمطلب بیدار ہوئے۔ گینتی لی اور منزل کی طرف چل دیے۔ ان کا بیٹا حارث بھی ساتھ ہولیا۔ ان دنوں ان کے ہاں ایک بیٹا تھا۔ عبدالمطلب دو معروف بتوں اساف اور نائلہ کے درمیان پہنچے۔ آپ بتوں کے درمیان چشمہ کی تلاش میں گڑھا کھودنے لگے۔ قریش نے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالمطلب یہ تم کیا کر رہے ہو۔ ہم تمہیں ان بتوں کے درمیان یوں گڑھا نہیں کھودنے دیں گے یہ ہمارے خداؤں کی توہین ہے۔ یہ ہماری قربان گاہ ہے۔ ہم یہاں گڑھا نہیں کھودنے دیں گے۔

حضرت عبدالمطلب کو ان کی مداخلت بڑی ناگوار گزری۔ آپ نے اپنے بیٹے حارث کی طرف دیکھا اور کہا۔ حارث! انہیں مجھ سے دور رکھیے۔ یہ لوگ آڑے آرہے ہیں۔ بخدا میں کنواں کھودوں گا اور جو مجھے حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کروں گا۔ قریش بضد تھے کہ کنواں نہیں کھودنے دیں گے۔ حضرت عبدالمطلب مصر تھے کہ کنواں ضرور کھودوں گا۔ قریش سمجھ رہے تھے کہ عبدالمطلب کا ایک ہی تو بیٹا ہے یہ ہمارا مقابلہ کیونکہ کرے گا۔ مگر حارث دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عبدالمطلب کنواں کھودتے رہے۔ آخر کار وہ پتھر ظاہر ہو گیا جو کنویں کے منہ پر رکھا ہوا تھا۔ آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قریش نے جب دیکھا کہ عبدالمطلب نے کنواں تلاش کر لیا ہے تو حصہ دار بن بیٹھے کہنے لگے۔ عبدالمطلب! یہ کنواں ہمارے جد اعلیٰ اسماعیل کی ملکیت ہے۔ ہم اس میں برابر کے شریک ہیں۔

(۱) الیسرۃ۔۱/۱۵۴

آپ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ کنواں تلاش کرنے کی سعادت صرف مجھے بخشی گئی ہے۔ تم سب محروم رہے۔ اس کام کے لیے میرا انتخاب ہوا ہے لہذا یہ میری ملکیت ہوگا۔

قریشی کہنے لگے۔ عبدالمطلب انصاف سے کام لیجیے۔ ہمیں اپنا حق دیجیے یاد رکھیے ہم اپنے حق کے لیے لڑیں گے۔ اور جان و مال اور اولاد کی پرواہ نہیں کریں گے۔

آپ نے فرمایا۔ کنویں پر تمہارا کوئی حق نہیں انصاف چاہتے ہو تو قرعہ اندازی کر لیتے ہیں۔ ''دو تیر کعبۃ اللہ کے نام کے ہوں گے، دو میرے نام کے اور اسی طرح دو تیر تمہارے نام کے۔ جس کے تیر خالی گئے انہیں کچھ نہیں ملے گا اور جن کے تیر کنویں پر پڑیں گے وہی اس منصب کا حقدار ہوگا۔

قریشیوں نے اس بات سے اتفاق کیا۔ قرعہ اندازی کی گئی۔ کعبۃ اللہ کے تیر سونے پر پڑے۔ عبدالمطلب کے تیر تلواروں اور ذرعوں پر اور قریشیوں کے تیر خطا گئے۔

اس طرح حجاج کو پانی پلانے کی سعادت عبدالمطلب کے حصہ میں آئی اور پھر کسی شخص نے اس منصب کا دعویٰ نہ کیا۔

جب آپ کنواں کھودنے لگے۔ اور قریش نے آپ کو روکنا چاہا اور آپ نے اپنے بیٹے حارث کو پکارا۔ اسی دن آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے دیے وہ سب جوانی کی عمر کو پہنچے اور قریش کے مقابلے میں میری تقویت کا باعث بنے تو میں اپنا ایک بچہ کعبۃ اللہ کے نزدیک ذبح کروں گا۔

ان کے دس بیٹے ہوئے۔ عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔ سب جوان ہو گئے۔ اب عبدالمطلب کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے بچوں کو نذر پوری کرنے کے لیے بلایا۔ سب نے سر تسلیم خم کر لیا۔

بعثت سے اکتالیس سال پہلے جمادی الاول کے مہینے میں قریش ایک صبح بیدار ہوئے تو ہر زبان پر عبدالمطلب کی نذر کی بات تھی۔ ان کے دس بچے ہیں۔ ان میں سے ایک نے قربان ہونا ہے۔ سب بیٹے سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔ آج ان میں سے ایک نے کعبۃ اللہ کے صحن میں قربان ہونا ہے۔ وہ دیکھو دسوں اپنے باپ کے پیچھے کعبۃ اللہ شریف کو جا رہے

ہیں۔ دیکھیں کس کے نام کا قرعہ پڑتا ہے۔ آسمان کس کے ذبح کا حکم صادر کرتا ہے۔

عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کے ہاتھ ایک ایک تیر ہے۔ جس پر ہر ایک کا نام لکھا ہے۔ قریش کی عورتوں کے دل شفقت و محبت کے جذبات سے لبریز دھڑک رہے ہیں کہ کب وہ گھڑی آتی ہے جب ان میں سے ایک نے ذبح ہونا ہے۔ تماشا دیکھنے والوں میں قریشی عورتیں بھی ہیں۔ آنکھوں میں آنسو ہیں۔ دل بوجھل ہیں۔ حضرت آمنہ بھی یہ سب ماجرا سن چکی ہیں مگر وہ گھر میں ہیں۔ وہ جوان دوشیزہ ہیں۔ قریش کے بڑے گھرانے کی بیٹی ہیں۔ پردہ دار ہیں وہ گھر سے باہر نہیں نکلتیں۔ وہ انتظار میں ہیں کہ کوئی آ کر بتائے کہ قرعہ کس کے نام پڑا۔ رب کعبہ نے شیخ کی نذر کے لیے کس کا انتخاب فرمایا۔

یہ بوجھل ساعتیں آہستہ آہستہ بیت رہی تھیں۔ کافی وقت ہو چکا تھا مگر ابھی تک کوئی واپس نہیں آیا تھا۔

اچانک قریش کی مجلسوں اور گھروں سے نکل کر یہ خبر ارجاء مکہ میں پھیل گئی کہ کعبہ نے عبداللہ کا انتخاب کیا ہے۔ کہیں سے وھب کی بیٹی نے بھی یہ خبر سن لی۔ دوسری عورتوں کی طرح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بھی یہ خبر سن کر سکتہ میں آ گئیں۔ زبان گنگ ہو گئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عبداللہ نوجوانان مکہ کی زینت تھا۔ عبدالمطلب اسے دل و جان سے چاہتے تھے۔ اپنے تمام بیٹوں اور دوسرے قریشی نوجوانوں سے کہیں زیادہ وہ انہیں عزیز تھا۔

عبدالمطلب کی بیٹیاں رو رہی تھیں۔ وہ کعبۃ اللہ کے نزدیک کھڑی امر خداوندی کا انتظار کر رہی تھیں۔ (۱)

پھر بہت جلد واقعہ کی تفصیلات پورے شہر میں گردش کرنے لگیں۔ کہ کیسے ہاشمی سردار اپنے بچوں کو لیکر کعبہ شریف کے اندر نصب ھبل بت کے پاس گیا اور قرعہ نکالنے والے سے کہا کہ میرے بچوں پر ان تیروں سے قرعہ نکال۔ عبدالمطلب کمال شجاعت و ایمان کا مظاہرہ کر رہا تھا اور شفقت پدری کے جذبے کو راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دے رہا تھا۔

---

(۱) الطبقات الکبریٰ۔ از ابن سعد ۱/۵۳ طبع یورپ

قرعہ اندازی کرنے والے نے دسوں بچوں کے ہاتھوں میں تیر تھما دیے جن پر ان کے نام لکھے تھے۔ عبدالمطلب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ قرعہ اندازی ہو رہی تھی۔ آخر عبدالمطلب نے دیکھا کہ قرعہ کسی کے نام نہیں پڑا۔ سب گزر چکے۔ صرف عبداللہ باقی ہیں۔ جوان تمام میں چھوٹے ہیں۔ ان کا دل شفقت و محبت سے بھر آیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ تیر یا تو عبداللہ پر پڑے گا یا پھر خطا جائے گا۔

آخر وہ منحوس گھڑی آ گئی(۱)

فیصلہ کن لمحے شروع ہوئے

قرعہ اندازی کرنے والے نے تیر نکالا۔ عبدالمطلب ھبل کے قریب کھڑے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے۔ یہ تیر عبداللہ کے نام پڑا۔ فیصلہ ہو گیا کہ عبداللہ نے ذبح ہونا ہے۔

ہاشمی سردار نے اپنی ساری قوت مجتمع کی۔ اپنے عزیز از جان بیٹے کا ہاتھ پکڑا۔ دوسرے ہاتھ میں چھری لی اور اساف اور نائلہ کے قریب واقع قربان گاہ کی طرف چل پڑا۔

مکہ کے گلی کوچوں میں آہ و فغاں تھی۔ ہر ایک آنکھ اشک بار تھی۔ یہ خبر بنی زہرہ کے محلّہ میں پہنچی۔ راوی یہاں چپ، مہر بلب ہے۔ وہ غم و اندوہ کی حالت میں آسمان کو دیکھ رہا ہے۔ آنکھوں میں آنسو خشک ہیں۔ ہائے ان سے خون کیوں نہیں بہتا۔

بنی زہرہ کے گھر میں کوئی نہیں۔ قریش کی مجلیس اور گھر سنسان پڑے ہیں۔ شاید عبداللہ کی قربانی کا تماشا دیکھنے گئے ہیں۔ شاید وہ اس باپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں جو اپنے جوان بیٹے کو ذبح کرنے کے تلخ تجربے سے گزر رہا ہے۔

آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کیفیت کیا ہو گی۔ وہ چاہتی ہوں گی کہ اڑ کر کعبہ پہنچیں اور کسی طرح عبداللہ کو بچا لیں۔ لوگ بھاگے جا رہے تھے مگر ان کے لیے گھر سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ وہ سوچ رہی ہوں گی کاش وہ اپنے چچازاد کو کسی طریقے سے بچا سکتیں۔ مگر ایک ناتواں عورت کیا کر سکتی تھی۔ آہ و زاری اور دعا کا وقت بھی ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ گہرا ہو رہا تھا۔ قریشی ابھی تک گھروں کو نہیں آئے تھے۔

---

(۱) السیدۃ الھشامیہ:۱۶۳

وہ کیوں رک گئے۔ واپس کیوں نہیں آئے۔ آمنہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ حتی کہ کسی نے آ کر بتایا کہ وہ لوگ مکہ سے دور کسی دوسرے شہر میں چلے گئے ہیں۔ مگر کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ اچانک سفر کیوں پیش آیا۔ عبداللہ کو ذبح کیوں نہیں کیا گیا۔ رات بیتی جا رہی تھی مگر کسی کو کچھ علم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

آخر اندھیری رات میں ایک خبر روشنی کی کرن ثابت ہوئی۔ کسی نے بتایا۔

"والد تو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا عزم کر چکا تھا مگر قریشی سردار آڑے آئے

انہوں نے عبدالمطلب سے پوچھا:

عبدالمطلب تو کیا چاہتا ہے۔

عبدالمطلب نے کہا۔ میں اپنی نذر پوری کرنا چاہتا ہوں۔

قریشی بزرگوں اور جوانوں نے کہا:

بخدا آپ عبداللہ کو اس وقت تک ذبح نہیں کریں گے جب تک مجبور نہیں ہو جاتے۔ اگر آج آپ نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا تو دوسرے لوگ بھی اپنے بچوں کو ذبح کرنے لگیں گے۔ اور یوں انسانیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مغیرہ بن عبداللہ مخزومی جو فاطمہ بنت عمرو مخزومی، عبداللہ، زبیر اور ابی طالب کی والدہ کی نسل سے تھا جھٹ آگے بڑھا اور چیختے ہوئے عبدالمطلب کے ہاتھ سے چھری لے لی۔

واللہ! ہم حتی المقدور عبداللہ کو ذبح نہیں ہونے دیں گے۔ ہم فدیہ میں مال دیں گے۔ اور اسے بچانے کے لیے اپنی عمر بھر کی کمائی داؤ پر لگا دیں گے۔

قریشی سردار نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

آپ عبداللہ کو خیبر کی کاہنہ کے پاس لے جائیں جس کے تابع ایک مھیب جن ہے اور اس سے اس بارے پوچھیں۔ اگر وہ عبداللہ کو ذبح کرنے کا حکم دے تو اسے ذبح کر دیں اور اگر کوئی اور راستہ دکھائے تو بھی اس کی پیروی کریں۔ (۱)

---

(۱) اس کاہنہ کے نام کے بارے اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا نام قطبہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک سجاح۔ دیکھیے سھیلی ۱/۱۷۷۔ زرقانی ۱/۱۹۶/۲ ۵۵

عبدالمطلب نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور حجاز کی اس کاہنہ سے فیصلہ لینے کے لیے خیبر کی راہ لی۔

عبدالمطلب اور اس کے ساتھی چلے گئے اور اپنے پیچھے مضطرب دل اور جاگتی آنکھیں چھوڑ گئے۔ عبداللہ کی جدائی میں راتیں بے قرار ہو گئیں اور دن گویا مرثیہ خواں۔ کسی کو کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ سبھی لوگ صابر و شاکر بخوشی قربان ہونے والے اس جوان کے لیے دعا کر رہے تھے جو بنی ہاشم کے جوانوں کا سنگھار تھا۔

قافلے کو گئے تقریباً بیس دن ہو چکے تھے۔ سفر تو اتنا طویل نہیں تھا۔ شاید عبداللہ کی محبت کی بیڑیوں سے قدم اٹھانا مشکل ہو گئے تھے۔ قافلہ سست رفتاری سے چل رہا تھا گویا سخت چٹانوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔

قریش کی مجلیس ویران اور گلی کوچے خاموش تھے۔ ایک اضطراب تھا جو پورے ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ کوئی کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ بس انتظار تھا کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

دل دھڑک رہے تھے اور آنکھیں شمال کی طرف سے آنے والے راستے پر لگی ہوئی تھیں کہ قافلہ کب لوٹتا ہے۔ شمالی راستے سے آتے ہوئے راہ گیر پر عزیز از جاں عبداللہ کا گمان ہوتا تھا کوئی آواز سنائی دیتی تو لوگوں کے کان کھڑے ہو جاتے کہ ہو سکتا ہے قافلہ کے بارے کوئی بات کرے۔ عزیز از جاں نوجوان ذبیح عبداللہ کے بارے کوئی کچھ کہے۔

زندگی کی نبضیں رک گئیں۔ زمانہ ان بیس دنوں میں لگتا تھا مقید ہو گیا ہے حضرت عبدالمطلب اور اس کا نوجوان بیٹا مکہ میں نہیں تھے۔ قریش کے کئی دوسرے سردار اور جوشی بھی ان کے ساتھ تھے۔

غلام اور لونڈیاں گھروں اور قافلوں کے آنے جانے والے راستوں کے درمیان دوڑتے بھاگتے رہتے کہ کوئی خیبر سے آئے تو اس سے سردار مکہ اور ان کے نوجوان بیٹے کے بارے پوچھیں۔

راتوں کو جب ہر سو اندھیرا چھا جاتا اور رات اپنے دبیز پردے ہر طرف لٹکا دیتی تو قریش کے محلوں سے دوشیزائیں نکلتیں۔ کعبۃ اللہ کے غلاف سے لپٹ جاتیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان بھاگتیں اور دعائیں کرتیں کہ جس طرح اللہ کریم نے ہاجرہ کی دعا سنی اور ان کے لخت جگر اسماعیل کو ہلاکت سے بچایا عبداللہ کو بھی موت کے پنجے سے خلاصی دے۔

آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور یمن و سعادت کا سورج طلوع ہوا۔ شمالی افق پر گرد و غبار کے بادل نمودار ہوئے۔ یہ کسی قافلہ کے آثار تھے جو آہستہ آہستہ مکہ کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ بچے بلند ٹیلوں اور پہاڑی چوٹیوں پر کھڑے دیکھنے لگے اور کچھ ہی دیر بعد شور بلند ہوا کہ قافلہ آ پہنچا لوگ دیوانہ وار لپکے اور پورا مکہ شہر سے باہر قافلے کو خوش آمدید کہنے کے لیے جمع ہو گیا ایک جلوس کی صورت میں یہ لوگ شہر میں داخل ہوئے۔ حرم پاک کے صحن میں اترے عبداللہ کے بارے کوئی کچھ نہیں جانتا تھا ہر زبان پر دعا تھی۔ قریشی سردار نے غلاموں کو حکم دیا اونٹ ہانک کر لے آؤ۔ بیت اللہ شریف میں ان کے گھٹنے باندھ دو۔

بنی زہرہ کے موالی میں سے ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اور کاہنہ اور نذر کے متعلق روداد قریشی عورتوں کو سنانے لگا۔

"قافلے والے بتا رہے تھے کہ جب وہ خیبر پہنچے اور عبدالمطلب نے اپنی نذر اور عبداللہ کے نام قرعہ نکلنے کی بات کاہنہ سے کی اس نے بتایا کہ آج واپس چلے جاؤ۔ کل آنا میں اپنے مؤکل سے اس بارے دریافت کروں گی جب یہ لوگ اپنے ٹھکانے پر واپس آئے تو عبدالمطلب ساری رات اللہ کریم سے مناجات کرتے رہے۔ صبح کو کاہنہ کے پاس گئے تو اس نے کہا میں تمہاری رہنمائی کر سکتی ہوں۔ پھر اس نے پوچھا تمہارے ہاں دیت میں کتنے اونٹ دینے کا رواج ہے۔ قافلہ والوں نے بتایا کہ ہمارے ہاں خون بہا میں دس اونٹ دیے جاتے ہیں۔ کاہنہ نے کہا کہ واپس جاؤ۔ اپنے دوست اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ اونٹوں پر نکلے تو انہیں ذبح کر دو ورنہ اس وقت تک دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے جاؤ جب تک قرعہ اونٹوں پر نہیں پڑتا۔ جب قرعہ اونٹوں پر پڑے تو اونٹ ذبح کر دینا۔ اسی میں تمہارے رب کی خوشنودی ہوگی۔ اور تمہارا ساتھی موت سے بچ جائے گا۔"

غلام نے ابھی یہ کہانی ختم نہیں کی تھی قریب سے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ لوگ اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے اور بنی زھرہ کے گھروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان ہاشمی اور قریشیوں میں عبدالمطلب کی آواز نمایاں تھی۔ ان کی دائیں طرف عبداللہ چلتے آ رہے تھے۔ یہ لوگ قریب آ چکے تھے اور ان کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

"ہاں ہاشمی جوان عبداللہ ذبح ہونے سے بچ گیا۔ اے میرے رب
تیری رحمت کتنی وسیع ہے"۔

آمنہ چاہتی تھی کہ بھاگ کر جائے اور اپنے والد گرامی سے پوچھے کہ عبداللہ کیسے بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کرم کیسے فرمایا۔ مگر اسی لمحے اس نے دیکھا کہ اس کا والد لوگوں کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ شاید یہ عبداللہ کے بچ جانے کی خوشی میں ضیافت کا اہتمام کر رہا ہے۔

شادی

"فدیہ ادا کرنے کے بعد عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑے واپس لوٹے۔ پھر انہیں لیکر وھب بن عبد مناف بن زھرہ کے گھر گئے جوان دنوں نسب اور شرف میں بنی زھرہ کے سردار تھے۔ وھب نے اپنی بیٹی آمنہ کو عبداللہ کی زوجیت میں دے دیا" (ابن اسحاق)

یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟

تھوڑی دیر میں آمنہ تک یہ مژدہ پہنچ گیا۔

ان کی والدہ "برہ" ان کے پاس آئیں۔ وہ بہت خوش تھیں۔ ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اپنی بیٹی سے عبداللہ کے بارے بات کیسے کرے۔ "برہ" نے فدیہ کی بات کی۔ بیٹا! عبداللہ ایک سعادت مند جوان ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ ایک سو اونٹ اس کے فدیہ میں ذبح کیے گئے ہیں۔ تو تو جانتی ہے کہ:

پہلے دس اونٹوں اور عبداللہ کے درمیاں قرعہ اندازی ہوئی مگر قرعہ عبداللہ کے نام

پڑا۔ دس اونٹوں کا اضافہ ہوتا رہا اور قرعہ عبداللہ کے نام پر پڑتا رہا حتی کہ یہ تعداد سو ہوگئی۔ اب پہلی بار تیر اونٹوں کے نام پر پڑا۔ قریشی اور وہاں پر موجود لوگوں نے شور مچایا۔ عبدالمطلب! تیرے رب کی رضا معلوم ہو چکی۔ عبداللہ کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح ہونگے۔

مگر سردار نے نفی میں سر ہلایا۔ اور کہا

بخدا ہرگز نہیں قرعہ اندازی تین بار ہوگی۔

سو اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان ایک بار پھر قرعہ اندازی ہوئی۔ عبدالمطلب دعا مانگتے رہے۔ قرعہ دوسری بار بھی اونٹوں پر پڑا۔ تیسری بار قرعہ اندازی ہوئی پھر تیر اونٹوں کے نام پڑا۔

اب سردار کو اطمینان ہوا۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ عبداللہ کے فدیہ میں اللہ کریم نے سو اونٹ قبول فرما لیے ہیں۔ اونٹ ذبح کر دیے گئے۔ کیا انسان کیا حیوان کسی کا راستہ نہیں روکا گیا۔ (۱)

آمنہ کی ماں برہ خاموش ہوگئی۔ وہ سمجھ گئی کہ اصل بات جس کیلئے وہ آئی ہے نہیں کر پا رہی۔ وہ اپنی بیٹی کے چہرے پر نمایاں آثار کا جائزہ لینے لگی۔ آمنہ اپنے قلبی تاثرات چھپانے میں کامیاب ہوگئی۔ گویا اسے اس واقعہ سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں۔ وہ یہ بات بہر حال جانتی تھیں کہ والدہ ماجدہ مجھے یہ قصہ سنانے نہیں آئیں۔ وہ ضرور اس تمہید کے بعد کچھ اور کہنا چاہتی ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنی رغبت اور محبت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

ماں بیٹی آمنے سامنے بیٹھیں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ گویا وہ ایک دوسری کے دل کو ٹٹول رہی ہیں کہ وھب تشریف لائے اور بڑی شفقت اور پیار سے اپنی بیٹی سے مخاطب ہوئے۔

"بنی ہاشم کے سردار۔ بیٹا! تجھے اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے مانگنے آئے ہیں" (۲)

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۳

(۲) سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۴ اور عیون الاثر ۱/۲۴ میں ہی مذکور ہے کہ وھب نے اپنی بیٹی آمنہ کا نکاح عبداللہ سے کیا۔ مگر طبقات ابن سعد ۱/۵۸ میں ہے کہ آمنہ اپنے چچا وھیب کی گود میں پلی تھیں۔ اور انہوں نے ہی ان کا نکاح کیا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اسی مجلس میں عبدالمطلب نے حضرت حمزہ کی والدہ "ہالہ بنت وھب" کو پیغام دیا تھا۔

یہ کہہ کر وھب مہمانوں کے پاس آ گئے اور آمنہ کو تصویر حیرت بنے چھوڑ گئے۔

تھوڑی دیر میں آمنہ اس کیفیت سے باہر آ گئیں۔ ان کا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا۔ کہ پاس بیٹھی اس کی ماں اس دھڑکن کو سن سکتی تھی۔ آمنہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سحر زدہ سی بار بار سوچ رہی تھی کیا واقعی سردار بنی ہاشم کے بیٹے عبداللہ کے لیے اس کا رشتہ مانگا جا رہا ہے۔

آمنہ نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔ اس کا دل تو گرفتار پرندہ کی مانند پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اس نے اپنے منہ زور جذبوں کو قابو میں رکھنے کی بہت کوشش کی مگر ماں نے دل کا چور پکڑ لیا۔ بڑی شفقت اور محبت سے بازو وا کیے اور آمنہ نے خود سپردگی کے عالم میں اپنا سر ماں کی چھاتی پر رکھ دیا۔

آمنہ چاہتی تھی کہ یونہی اپنی ماں کی گود میں سر رکھے لیٹی رہے۔ ماں کی گود کس قدر سکون بخش تھی۔ وہ چاہتی تھی۔ یونہی خاموشی سے لیٹی عبداللہ کے بارے سوچتی رہے۔ مگر اسی لمحے آل زھرہ کی خواتین یکے بعد دیگرے آ آ کر مبارک باد دینے لگیں۔

آمنہ خاموش تھی اور اس کے ارد گرد بیٹھی عورتیں عبداللہ کے بارے گفتگو کر رہی تھیں کہ کس طرح قریش کی دوشیزائیں اسے دل و جان سے چاہتی ہیں۔ عبداللہ کو پانے کے انہوں نے کیسے کیسے جتن کیے وہ بتانے لگیں کئی دوشیزاؤں نے عبداللہ کو شادی کی پیش کش کی۔ کئی نے حرم سے گھر اور گھر سے حرم آتے جاتے اس کا رستہ روکا مگر اس نوجوان نے کسی بھی دوشیزہ کا رشتہ قبول نہیں کیا۔ اور اب بھی وھب کے گھر کی طرف آتے ہوئے کئی دوشیزاؤں نے دوٹوک الفاظ میں پیش کش کی ہے مگر عبداللہ نے ان کی اس پیش کش کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

آمنہ یہ ساری باتیں بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ یہ تو جانتی تھی کہ عبداللہ حسن صورت اور حسن سیرت میں یکتائے روزگار ہے مگر یوں دوشیزائیں پیش کش کریں گی اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ یہ باتیں بڑے تعجب سے سنتی رہی۔

اس نے یہ بھی سنا کوئی عورت کہہ رہی تھی کہ نوفل بنت اسد بن عبدالعزی بن قصی قریش کی بیٹی نے عبداللہ کو کعبہ کے نزدیک روکا اور کہا۔

اے عبداللہ کہاں کا قصد ہے۔؟

عبداللہ نے نہایت اختصار کے ساتھ جواب دیا۔ اپنے والد گرامی کے ساتھ اس نے کہا۔ اگر تو مجھ سے شادی کرے تو اتنے اونٹ دوں گی جتنے اونٹ آج تیرے فدیہ میں ذبح کیے گئے ہیں۔

مگر عبداللہ نے بڑی ملاطفت سے معذرت کر لی ہے۔ اور کہا میں اپنے والد کے ساتھ ہوں۔ ان کی رائے کے خلاف نہیں کر سکتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''فاطمہ بنت مر'' خوبصورت ترین عورت تھی اور عفت و پاکدامنی میں خاص شہرت رکھتی تھی۔ طبری اور ابن الاثیر کے بقول وہ خثعم کی کاہنہ تھی (۱) اس نے بھی عبداللہ کو پیغام نکاح دیا تھا۔ انہوں نے اس کاہنہ کی طرف دیکھ کر یہ اشعار کہے تھے۔

اما الحرام فالممات دونہ   والحل، لاحل فاستبینہ

فکیف بالامر الذی تبغینہ

''مگر حرام تو اُس سے موت بھلی، اور حلال، تو وہ حلال نہیں جس کی مجھے چھان بین کرنی پڑے، پھر وہ چیز کیسے ہو سکتی ہے جس کی طرف تو مجھے بلا رہی ہے''۔

اسی طرح ''لیلیٰ عدویہ'' کے بارے ہے کہ اس نے بھی پیش کش کی تھی مگر حضرت نے انکار کر دیا تھا عورتیں آتی رہیں۔ اور مبارک باد دیتی رہیں۔ آمنہ خاموش بیٹھی یہ سب قصے سنتی رہی۔

یہ عورتیں ان دوشیزاؤں کو معذور سمجھتی تھیں۔ عبداللہ ذبیح تھا اس کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کیے گئے تھے۔ ایسا صاحب حسن (۲) و جمال قریش میں کوئی اور تھا بھی نہیں۔ پھر ان دوشیزاؤں کو الزام کیوں دیا جائے۔

---

(۱) طبری ۲/۴/۱۷۔ کامل ابن اثیر ۲/۴۔

(۲) عیون الاثر: ۱/۲۳ عن الزبیر یعنی ابن بکار۔

کیا واقعی یہ سب کچھ ہوا؟ قریشی دوشیزاؤں نے اس قدر وارفتگی کا اظہار کیا؟

قدیم مؤرخ اور سیرت نگار تو بلا شک وارتیاب انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں مگر محدثین میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعات تحقیقی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ مثلاً ڈاکٹر محمد حسین ھیکل کہتے ہیں کہ عورتوں کے راہ میں آنے کی وجہ کوئی اور نہیں۔ بس عبداللہ ایک نہایت ہی وجیہ اور طاقت ور نوجوان تھے۔ اور تعجب نہیں کہ ایسے نوجوان سے شادی کے لیے آمنہ کے علاوہ دوسری دوشیزاؤں نے بھی سرگرمی دکھائی ہو۔ محمد حسین ھیکل کے نزدیک اس وارفتگی کی بنیاد یہ ہے تو گویا دوسری تمام روایات اس کے نزدیک پایہ اسناد سے گری ہوئی ہیں۔

اسی طرح بوڈی اپنی کتاب ''الرسول'' میں رقمطراز ہے ''عبداللہ حسن و جمال میں شہرت رکھتا تھا۔ وہ مکہ میں تمام جوانوں سے زیادہ خوبصورت اور صاحب جمال تھا۔ اسی وجہ سے مکہ میں اس کے حسن صورت کا تذکرہ رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے آمنہ بنت وھب کو پیغام نکاح دیا تو مکہ کی کئی سردار زادیوں کے دل جل کر راکھ بن گئے۔''

اگر ہم حضرت آمنہ کی حیات طیبہ کو تاریخی انداز سے پیش کر رہے ہوتے تو ان روایات کی توثیق، اسانید کا مقابلہ اور آئمہ نقاد کے نزدیک رواۃ کے مقام و مرتبہ کے بارے بات کرتے مگر ہم اس تاریخی مادہ کو ادبی انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ اس لیے ہم ان روایات پر جرح و تعدیل نہیں کرتے اور ان پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمیں تو صرف حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے حقیقی پرتو سے غرض ہے جو لوگوں نے بیان کی۔ ہم آپ کی سیرت کا جائزہ اس ماں کی حیثیت سے لینا چاہتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ جیسے بطل جلیل کو جنا۔

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ قریشی دوشیزاؤں کی وارفتگی کے یہ قصے آمنہ نے شادی کے دوران سنے۔ کہ قریشی دوشیزائیں اس کے پیارے دولہا کی خواہش رکھتی تھیں۔ عورتوں نے آمنہ کو مبارک بادیاں دی کہ اس کی اس ھاشمی جوان سے شادی ہو رہی ہے جس کے فدیہ کے قصے زبان زد عام ہیں۔ اور جو جواں مردی اور حسن و جمال میں اپنی مثال

آپ ہے۔ آمنہ سوچتی کہ قدرت کے کیا ہی نرالے فیصلے ہیں۔ ہاشمی نوجوان کو سواونٹوں کا فدیہ دیکر ذبح ہونے سے بچایا اور پھر میرے منگیتر کی حیثیت سے میرے والد کے گھر کی راہ پر ڈال دیا۔ سینکڑوں عورتوں نے اس کی تمنا کی مگر اس نے ہر ایک کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اور صرف مجھ کو چاہا۔ اسے اپنانے کے لیے دولت کی بھی پیشکش ہوئی مگر اس نے کسی کی نہ سنی اور مجھے پسند کیا مبارک باد دینے والیوں کی بھیڑ میں عبداللہ کے بارے سوچنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ انکے درمیان بیٹھ کر بھی ان سے بیگانی رہے اور بس عبداللہ کے بارے سوچتی رہے۔ وہ تصور کرتی کہ عبداللہ اس کے بارے عرصہ سے اچھے جذبات رکھتا تھا مگر وہ اسے پیغام دینے نہیں آیا۔ کیونکہ اسے اپنے انجام کے بارے معلوم نہیں تھا۔ پھر جب اس نے نجات پائی تو آمنہ کا گھر حرم کے بعد اس کا قبلہ ٹھہرا اور نجات کے بعد اس کا مقصد و مدعا بنا۔ وہ فوراً اس کی طرف کھنچا چلا آیا اور فدیہ کے بعد اس سے ایک لمحہ بھی صبر نہ ہو سکا۔

عبداللہ اس کے بارے کتنا سوچتا ہو گا؟

اور انتظار کے یہ خاموش لمحے کس قدر اس کے لیے صبر آزما ہوں گے؟ جدائی کی تلخی اور انتظار کے بعد جب وہ ملیں گے تو کیفیت کیا ہو گی؟ وہ انہیں تفکرات میں گم خاموش بیٹھی تھی کہ گھر میں شور و غل ہوا کہ رخصتی کی تیاری کرو۔ اور اسی آواز کے ساتھ آمنہ کا یہ خوبصورت سپنا ٹوٹ گیا۔

فدیہ کے واقعہ نے اہل مکہ کے دلوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہر آدمی اس نوجوان کی محبت میں وارفتہ نظر آتا تھا جس نے بڑے صبر کے ساتھ اللہ کے حکم کی اطاعت میں اپنی گردن تیز دھار چھری کے آگے رکھ دی تھی۔ وہ اللہ کے فیصلے پر راضی تھا۔ اسے اپنی جان کی نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی فکر تھی۔ اور موت اور اس کے درمیان صرف بال برابر فرق رہ گیا تو اللہ نے عرب بھر میں مہنگے ترین فدیہ کے ذریعے اس کو نجات دے دی۔

امن کے شہر مکہ میں جگہ جگہ مشعلیں روشن کی گئیں۔ دارالندوہ میں قریشی سردار اور بزرگ اکٹھے ہوئے۔ رات بھر قصہ گوؤں نے ذبیح اول حضرت اسماعیل کے قصے سنائے۔ کہ کیسے حضرت ابراہیم انہیں اس پہاڑ کے قریب ذبح کے لیے لے گئے۔ کیسے اسماعیل نے

اللہ کی خوشنودی اور والد کی فرمانبرداری کے جذبے سے اپنی گردن جھکالی۔ کیسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایک مینڈھا فدیہ میں دیکر انہیں موت سے بچایا جب کہ موت اور ان کے درمیان بے نام سا فاصلہ رہ گیا تھا۔

یہ وہ قصہ تھا جو ان کے آباؤ اجداد پشت در پشت اپنے بچوں کو سناتے آئے تھے۔ قربانی کا یہ دوسرا واقعہ بھی اسی جگہ پیش آیا تھا یہ اسی گھر کا صحن تھا جس کی بنیادیں حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اٹھائیں تھیں۔

اس بار فدیہ اسماعیل کے پوتے کا دیا جا رہا تھا جب کہ حضرت کی اولاد زمین پر دور دراز تک پھیل گئی تھی اور اپنے اجداد کی بزرگی کی وارث ٹھہری تھی۔

اور یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ شادی کی رات کسی قصہ گو کے دل میں یہ بات بھی کھٹکی ہو کہ وہ دونوں ذبیحوں اسماعیل اور عبداللہ کے درمیان تعلق قائم کر دکھائے۔ اور ہو سکتا ہے کچھ لوگوں نے اسے دور کی کوڑی لانا خیال کیا ہو۔ اور انہوں نے کوشش کی ہو کہ مستقبل کے پردوں میں جھانک کر حضرت عبداللہ کی شان و شوکت کو بیان کریں۔ جیسے حضرت اسماعیل کو فدیہ کے بعد خاص مقام و مرتبہ نصیب ہوا۔

تین دن اور تین راتیں مسلسل خوشیاں منائی گئیں۔ عرب دستور کے مطابق ان دنوں عبداللہ اپنی بیوی کیساتھ اپنے سسرال کے گھر رہا(۱) چوتھے دن صبح سویرے اپنے گھر آیا تاکہ اپنی پیاری بیوی کے استقبال کی تیاریاں کرے۔ جبکہ آمنہ نے یہ دن اپنے والد کے گھر میں گزرا جہاں وہ پیدا ہوئی۔ بچپنہ گزارا اور دلہن بنی تھی۔

پھر اس نے اپنے اہل خانہ کو الوداع کیا۔ بچپن کی سہیلیوں اور جوانی میں ساتھ بیٹھنے والیوں کو خدا حافظ کہا۔ پورا دن انہیں مصروفیات میں گزر گیا۔ حتی کہ رات کا کچھ حصہ بھی بیت گیا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو مجتمع کیا۔ بنو زہرہ کی چند خواتین کی معیت میں اپنے اہل خانہ کو چھوڑا اور نئی دنیا کی طرف چل دیں۔ وہ ہر قدم پر پیچھے مڑ کر ان ٹیلوں کو دیکھتی جنہیں وہ پیچھے چھوڑے جا رہی تھی اسے گھر والوں سے بچھڑنے کا غم بھی تھا اور عبداللہ کی محبت پانے کی

(۱) سیرت ابن ہشام۔ جزء اول۔ عیوان الاثر ۱/۲۵۔

خوشی بھی۔ تاریک رات نے تلخی اور مٹھاس کو بیک وقت اور بڑھا دیا تھا۔ آمنہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ راستے میں اس نے کسی سے بات نہیں کی وہ سر جھکائے چادر لپیٹے یوں چل رہی تھی۔ جیسے کوئی خوبصورت خواب دیکھ رہی ہو۔

سفر کٹ گیا۔ عبداللہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا اپنی بیوی کا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ آمنہ کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا گویا اسے وہ سب کچھ مل گیا ہو جس کی اس نے تمنا کی۔ آمنہ نے اپنا ملیح چہرہ اٹھایا۔ اس کے چہرے پر افسردگی تھی۔ اپنے ماں باپ. بہن بھائیوں اور بچپن کی سہیلیوں سے بچھڑنے کا غم تھا۔ عبداللہ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

عبداللہ سمجھ گئے کہ اپنوں سے بچھڑنے کا قلق ہے۔ مگر وہ ماضی کی یادوں کو تازہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آمنہ کو خوش آمدید کہا اور اسے لیکر اپنے گھر کے صحن میں آ بٹھایا۔ جہاں اور مہمان بھی اس کی آمد کے منتظر تھے۔

عبداللہ اسے اپنا نیا گھر دکھانے لگے۔

گھر اگرچہ بڑا نہیں تھا اور اس کی دیواریں بھی کچھ زیادہ بلند نہیں تھیں۔ مگر مکہ کے دوسرے گھروں سے مختلف تھا۔ یہ دلہن کے لیے خصوصی طور پر تیار کیا گیا تھا۔ یہاں دونوں میاں بیوی بڑے اکرام کے ساتھ زندگی کی شروعات کر سکتے تھے۔

جیسا کہ مؤرخین نے بیان کیا ہے اس گھر میں پتھر کی سیڑیاں بنی ہوئی تھیں جو شمالی دروازہ تک لے جاتی تھیں اور اس میں داخل ہو کر انسان ایک دالان میں پہنچ جاتا تھا جس کی لمبائی تقریباً بارہ میٹر اور چوڑائی چھ میٹر تھی دائیں دیوار میں ایک دروازہ تھا جس سے گزر کر جائیں تو سامنے درمیان میں ایک گنبد تھا جو قدرے مغربی دیوار کی طرف مائل تھا۔ اور اس پر لکڑی کی جالی بنی تھی جو دلہن کی سیج کے لیے خصوصی طور پر تیار کیا گیا تھا۔ عبداللہ اپنی بیوی آمنہ کو اپنے کمرے میں چھوڑ کر واپس مہمانوں کے پاس آ گئے۔ بنو ہاشم کی لڑکیاں آمنہ کے پاس بیٹی باتیں کرتے لگیں عبداللہ مہمانوں سے باتیں کرنے لگے۔

رات کا ایک پہر بیت گیا۔ قصہ گوئی شروع رہی۔ قریش کی یہ کلی جس گھر میں منتقل ہوئی اس کی برکتوں کا تذکرہ ہوا۔ عبداللہ اور آمنہ کے لیے دعائیں کی گئیں۔ جو حجاز بھر میں حسب و نسب میں سب سے اعلیٰ و ارفع تھے۔

خوشخبری

خواب میں ہاتف غیبی آمنہ سے کہہ رہا تھا۔

''آپ اس قوم کے سردار کی ماں بننے والی ہیں'' (ابن اسحاق)

مہمان اپنے گھروں کو واپس آگئے۔ کائنات سوگئی۔ دنیا پرسکون ہوگئی۔ عبداللہ اور آمنہ اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عبداللہ حجاز کی کاہنہ اور سفر کی دوسری تفصیلات بتا رہا تھا۔

آمنہ بڑی خوش تھی۔ گھر والوں کی جدائی کے غم پر عبداللہ کی محبت غالب آگئی تھی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے اپنے خاوند سے باتوں میں مصروف تھی

عبداللہ! کئی عورتوں نے آپ کو چاہا۔ آپ کے راستے میں آئیں آپ کے قدموں پر مال و دولت نچھاور کرنا چاہا۔ ذرا ان کے بارے کچھ بتایئے۔ عبداللہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ اس بے تکلفی پر بڑا خوش ہوا۔ اور جواب دینے لگا۔

آمنہ مجھے ہمیشہ آپ کا خیال رہا۔ میں کبھی آپ سے غافل نہیں ہوا۔ تو وہ سب واقعات سن چکی ہے۔ عورتوں نے میرا راستہ روکا۔ مگر میں نے سب کو تمہاری خاطر چھوڑ دیا۔

آج ایک اور واقعہ پیش آیا جو آپ نے کسی سے نہیں سنا۔ آج جب میں آپ کے والد گرامی کے گھر سے واپس آرہا تھا کہ استقبال کی تیاریاں کروں پورا دن مصروفیت میں گزر گیا اس لیے میں یہ بات کسی سے نہیں کر سکا۔

آمنہ اس واقع کو سننے کے لیے بے حد بیتاب دکھائی رہی تھی۔ پوچھنے لگی کیا مکہ کے یکتائے روزگار اس جوان کا راستہ پھر کسی دوشیزہ نے روکا کیا اب بھی کوئی آپ کے قرب کی تمنائی ہے۔

عبداللہ آمنہ کی یہ بات سن کر کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ کل جو عورتیں آنکھیں فرشِ راہ کرتی تھیں۔ آج بیگانہ سی، لاتعلق سی دکھائی دیتی تھیں۔ گویا میں وہ عبداللہ ہی نہیں جسے یہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہتی تھیں۔

پھر وہ چند ساعتوں کے لیے خاموش ہوگیا۔ اپنی بیوی کی طرف دیکھا کہ اس کے تاثرات کا جائزہ لے۔ آمنہ خاموش رہی۔ وہ قصہ سننا چاہتی تھی۔ کہنے لگی پھر کیا ہوا۔

بنت وھب ٹھہریے۔ مجھے چاہنے والیاں آج بدلی بدلی سی تھیں۔ گویا ان کی فطرت ہی بدل گئی ہے۔ آج جب میں تیرے میکے سے آرہا تھا تو راستے میں ان سے آمنا سامنا ہوگیا۔ انہوں نے اپنے رخ پھیر لیے۔ ان کے چہروں پر بیزاری تھی۔ میں حیران ہوا کہ یہ بے رخی کیوں۔ آخر میں نے نوفل کی بیٹی سے پوچھ لیا۔

بنت نوفل اس بے رخی کی کیا کوئی خاص وجہ بھی ہے۔ کل تو تم نے مال و دولت کی پیشکش کی مگر آج یوں لاتعلق سی بنی ہو۔ میں پوچھ سکتا ہوں ماجرا کیا ہے۔

آمنہ! اس نے بڑا عجیب جواب دیا۔ کہنے لگی

تیری پیشانی میں کل جو نور ضوفشاں تھا آج غائب ہے۔ اب مجھے تجھ سے کوئی غرض نہیں۔ (۱)

اسی طرح ''فاطمہ بنت مر'' نے اعراض کیا۔ اور کہا

وہ نور کل ضوفگن تھا مگر آج نہیں۔ (۲)

ہاں اس نے یہ بھی کہا:

بخدا میں زانیہ نہیں۔ (۳)

تیری پیشانی میں ایک نور دیکھا اور اس کی تمنا کی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ یہ سعادت مجھے نصیب ہو۔ عبداللہ! میری پیشکش کے بعد تو نے کیا کیا''

میں نے اُسے بتایا کہ ''میں نے آمنہ بنت وھب سے شادی کر لی ہے''

میری یہ بات سن کر فاطمہ نے یہ شعر پڑھے۔

لله ما زهرية سلبت   منك الذی استلبت وما تدری

---

(۱) ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۵۔

(۲) فاطمہ بنت مر کا یہ جملہ ضرب المثل بن گیا۔ دیکھے مجمع الامثال۔ میدانی: ۲/۳۴

(۳) طبری ۲/۴۷۱۔ ابن الاثیر ۲/۴ نہایت الارب۔

"بخدا ابو بنی زھرہ کی دوشیزہ نے تجھ سے وہ مطاع چھین لی جو چھین لی اور تجھے علم تک نہ ہوا"

پھر اس نے حسرت و یاس کے عالم میں کہا:

ولما قضت منه "امينة" ماقضت   نبا بصرى عنه و كل لسانى !

"جب "امینہ" رضی اللہ عنہا نے عبداللہ سے شادی کر لی تو میری نظر اس سے اچٹ گئی اور میری زبان خاموش ہو گئی"

میں نے تیسری عورت "لیلیٰ عدویہ" سے بھی اعراض کی وجہ پوچھی اس نے بھی یہی جواب دیا۔ اس نے کہا۔

"جب تو میرے پاس سے گزرا تو تیری پیشانی میں ایک نور تاباں تھا۔ میں نے تجھے شادی کی پیشکش کی تو نے انکار کر دیا۔ آمنہ کے پاس گیا تو وہ نور آمنہ لے گئی"۔

عبداللہ خاموش ہو گیا۔ دلہن بھی کچھ کہہ نہ سکی۔ دونوں بے حد متعجب تھے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ ان عورتوں نے ایسی باتیں کیوں کی ہیں۔ دونوں سوچنے لگے۔

آمنہ نے خاموشی کو توڑا۔ اور کہا کہ ذرا بتایئے نوفل کی بیٹی نے کیا کہا تھا عبداللہ حیران تھا۔ آمنہ بنت نوفل کی بات کیوں سننا چاہتی ہے؟ انہوں نے اپنی حیرانی کا اظہار بھی کر دیا۔ آمنہ دوسری عورتوں کو چھوڑ کر تو بنت نوفل کے الفاظ دوبارہ سننا چاہتی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

آمنہ نے جواب دیا۔

میں تمہیں بتاؤں گی مگر پہلے وہ الفاظ دہراؤ۔ بنت نوفل نے کیا کہا تھا۔

عبداللہ کو مجبوراً وہ الفاظ دہرانہ پڑے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ آج وہ پیشکش کیوں نہیں جو کل تھی؟

تو اُس نے کہا: تجھ میں وہ نور نہیں دیکھ رہی جو کل دیکھا تھا۔ آج مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد آمنہ بولی:

اے میرے چچیرے! بخدا۔ میں مستقبل کے پردوں میں ایک امید افزاء واقعہ

دیکھ رہی ہوں۔ تو بھی جانتا ہے اور میں بھی۔ یہ عورت ورقہ بن نوفل کی بہن ہے۔ اور ورقہ نے نصرانیت قبول کی اور آسمانی کتابوں کا علم حاصل کیا۔ وہ بتاتا ہے کہ ہمارے خاندان میں ایک نبی پیدا ہو گا۔

پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگی:

شاید تجھے یہ بات بھول گئی ہے کہ فاطمہ مرکی بیٹی بھی الہامی کتابوں کا علم رکھتی ہے۔ اور وہ خثعم کی کاہنہ ہے۔(۱)

عبداللہ نے وارفتگی کے انداز میں آمنہ کو دیکھا اور زور سے کہا تیرا مطلب یہ ہے کہ ہم ....

آمنہ نے اس کو بات پوری نہ کرنے دی اور نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ خواب میں اسے نبی منتظر کے بارے الہام ہوا۔ وہ ساری باتیں ساری نشانیاں بتائی گئیں جو آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے واقع ہونا تھیں۔

آمنہ رات بھر سوتی رہی۔ عبداللہ اس کے خواب سے بے خبر رات بھر اس کے پہلو میں بیٹھا رہا۔ وہ صرف اس کے چہرے سے پھوٹنے والی روشنی کو دیکھ سکتا تھا۔ اور اس مسکراہٹ کو محسوس کر سکتا تھا جو سوتے میں بھی اس کے چہرے سے ہویدہ تھی۔ آمنہ پر سکون نیند سوئی رہی۔

حتی کہ صبح کا سپیدہ نمودار ہوا۔ وہ اپنی پرسکون نیند سے بیدار ہوئی عبداللہ سے آنکھیں دوچار ہوتے ہی اپنے رؤیا کے بارے بتانے لگی۔

میں نے دیکھا کہ نور کی ایک شعاع میرے جسم سے نکلی اور میرے اردگرد کی دنیا روشن ہو گئی حتی کہ میں نے ارض شام میں بصریٰ کے محلات دیکھے اور میں نے ہاتف غیبی کو سنا جو کہہ رہا تھا: بیشک تو اس امت کے سردار کی ماں بننے والی ہے"۔

عبداللہ چند دن مکہ میں ٹھہرے۔ تاریخ تعین نہیں کرتی کہ شادی کے بعد کتنے دن وہ اپنی دلہن کے ساتھ رہے۔ جمہور کے نزدیک یہ مدت دس دن سے زیادہ

---

(۱) تاریخ الطبری: ۲: ۲۴۲/۱۷۔ البدایة۔ ابن اثیر ۴/۲۔

نہیں۔ ایک تجارتی قافلہ غزہ اور شام کی طرف جا رہا تھا۔ آپ کو بھی ان کے ساتھ تجارت کی غرض سے جانا پڑ گیا۔

غالب گمان یہ ہے کہ "بنت نوفل" کی اس نور کے متعلق گفتگو جو عبداللہ سے آمنہ کی طرف منتقل ہو گیا ان چند راتوں میں دونوں میاں بیوی کے درمیان موضوع گفتگو رہا ہو گا جو راتیں انہوں نے اکٹھے گزاریں۔ اور خوابوں نے ان دونوں کو اپنے حلقے میں لے کر بہت بلندیوں تک پہنچا دیا گیا ہو گا۔ ان کے دل میں عجیب عجیب تمنائیں اور آرزوئیں انگرائیاں لیتی ہوں گی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے سوداء بنت زہرہ کلابیہ کی خبر کا تذکرہ کیا ہو۔ کہ جب وہ پیدا ہوئی اور اس کے والد نے دیکھا کہ یہ تو سخت سیاہ رو ہے اور اس نے اسے زندہ درگور کرنے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے حجون میں آیا اور جب کہ گڑھا کھودنے والے نے گڑھا کھودا تو غیب سے آواز آئی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا "بچی کو زندہ دفن نہ کر بلکہ اسے جنگل میں جا کر چھوڑ آ"

گڑھا کھودنے والے شخص نے اس آواز کو بار بار سنا۔ وہ بچی کو لیکر اس کے والد کے پاس آیا۔ اور کہا: یہ بچی تو بڑی شان والی ہے۔ اسے باپ نے چھوڑ دیا۔ اور قتل نہ کیا۔ بڑی ہو کر یہ بچی کاہنہ بن گئی۔ قریش اس سے آئندہ کے واقعات پوچھتے تھے۔ ایک دن اس کاہنہ نے بنی زھرہ سے کہا۔ تم میں ایک عورت ہے جو پیغمبر کو جنے گی یا خود پیغمبر ہو گی۔ اپنی بچیاں ذرا مجھے دکھا دو۔ وہ بچیاں لے آئے۔ اس نے ہر ایک کے بارے پیشین گوئی کی جو بعد میں سچ ثابت ہوئی۔ حتی کہ اس نے آمنہ کو دیکھا تو کہنے لگی یا تو یہ خود پیغمبر بنے گی۔ یا اس کے بطن سے پیغمبر پیدا ہو گا۔ (۱)

---

(۱) الراض الانف: ۱/۶۱

چوتھی بحث

بچھڑے ہوئے ساتھی

- ☆ فراق
- ☆ یثرب کا قاصد
- ☆ جانے والا واپس نہ آسکا

جدائی

پھر جدائی کی گھڑی آ گئی۔

جب پو پھٹی کوچ کی گھنٹی بجی اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی محبوب بیوی کو خدا حافظ کہا۔ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ سے لپٹ گئی۔ انہیں ہزار اندیشے ستا رہے تھے۔ ان کے دل میں کئی وسوسے تھے۔ وہ بڑی بے قراری اور گھبراہٹ محسوس کر رہی تھیں۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی محبت سے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا وہ گمان کر رہے تھے کہ ان کا اضطراب کہیں ہلاکت خیز وحشت و تنہائی کا روپ نہ دھار لے۔

پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو ان سے الگ کیا اور گھر کے صحن میں کھڑے ہو کر انہیں صبر کی تلقین کی اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

چند دن ہی تو ہیں۔ میں بہت جلد سفر سے واپس آ جاؤں گا۔ اے آمنہ تو تو جانتی ہے کہ میں کس قدر تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں محبت و عشق کے پروں کے ساتھ اڑتا تیرے پاس پہنچوں گا۔

آمنہ کی آواز بھرا گئی۔ غم نے گویا اس کی قوت گویائی چھین لی ہو۔ تیرے بعد میں کیسے جیوں گی؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی ملاطفت سے جواب دیا۔

میرے خوابوں سے گفتگو کیا کیجیئے جو ہمیشہ تیرے اردگرد طواف کرتے رہے گے اور چکر کاٹتے رہیں گے۔ اور میرے اس دل کو سنبھال رکھیے جسے میں اپنے جسم سے نکال کر تیرے پاس چھوڑے جا رہا ہوں اور بے روح جسم کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔ میرا یہ بے روح جسم ہمیشہ اپنی محبوب ترین جگہ کی طرف کشش محسوس کرتا رہے گا اور اللہ کی مخلوق میں

سے محبوب وجمیل ترین ہستی کی محبت کے دام میں گرفتار رہے گا۔

آمنہ کی ہچکی بندھ گئی۔ اور ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

عبداللہ! ہائے یہ جدائی کی لمبی سیاہ راتیں!

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوجھل قدموں سے آہستہ آہستہ گھر کے دروازے کی طرف چل پڑے۔ اور حضرت آمنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

آمنہ! صبر سے کام لو۔ سنہرے سپنے تیرے مونس وغمخوار ہوں گے۔ جدائی کی لمبی سیاہ راتوں میں تجھے تسلی دیں گے۔ کیا بنت نوفل کی بات بھول گئی ہو۔ فاطمہ بنت مر کی گفتگو یاد نہیں۔ کل جو تم نے خواب دیکھا تھا اسے کیا بھلا دیا ہے؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دروازے پر پہنچے تو اس سے پہلے کہ جذبات سے مغلوب ہو جاتے اور صبر کا پیمانہ چھلک پڑتا آپ تیزی سے چل دیے۔ جبکہ حضرت آمنہ جہاں تھیں وہیں پہ بت بنے کھڑی رہیں۔ گھر تو وہی تھا مگر اس کے در و دیوار اجنبی سے لگ رہے تھے۔ گھر کی چوکھٹ سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے دل تھام لیا کہ کہیں غم واندوہ کے مارے پھٹ ہی نہ جائے۔

آپ کی خادمہ ''برکہ ام ایمن'' نے آپ کی حالت دیکھی تو دوڑی آئی۔ آپ کو پکڑ کر بستر پر بٹھایا اور پھر پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہیں تسلی دینا چاہی۔ اور آمنہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عبداللہ کی جدائی کا جو غم پہنچا تھا اس کا مداوا کرنے لگی۔

کئی دن اور کئی راتیں گزر گئیں۔ مگر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بستر سے الگ نہ ہوئیں۔ وہ اپنے محبوب خاوند کے غم کی تلخیوں کو برداشت کر رہی تھیں اور ان کی جدائی میں دل تھامے بیٹھی تھیں۔ گھر والوں نے بہت کوشش کی کہ وہ انہیں تنہائی کی اس کیفیت سے نکالیں۔ حضرت عبدالمطلب نے تسلی دی۔ ہمت بندھائی کہ کہیں اس غم میں گھل گھل کر ان کی صحت ہی خراب نہ ہو جائے مگر جدائی کا غم گھر والوں اور سہیلیوں کی تسلی پر غالب تھا۔ بلکہ وہ نہ پسند کرتی تھیں کہ عزلت وتنہائی کے ان لمحوں میں کوئی مخل ہو اور جانے والے کے تصورات اور سپنوں کا تسلسل ٹوٹے۔

ایک ماہ کا عرصہ گزرتے یوں لگا گویا صدیاں بیت گئی ہوں۔ اس عرصہ میں کوئی خاص بات نہیں کہ ذکر کی جائے۔ ہاں آمنہ رضی اللہ عنہا حمل کی گرانی محسوس فرماتیں۔ اس سے انہیں ایک خاص خوشی اور طمانیت حاصل ہوتی۔ حافظ ابن سید الناس واقدی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور واقدی نے یہ روایت وہب بن زمعہ عن عمتہ کے طریق سے لی ہے۔ وہب بن زمعہ کی پھوپھی صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن اقدس میں تھے تو وہ فرماتی تھیں۔

''میں عام عورتوں کی طرح حمل کی گرانی یا بوجھ محسوس نہیں کرتی تھی۔ حمل ہونے کا شعور مجھے حیض کے رک جانے سے ہوا۔ حالانکہ اس سے پہلے حیض وطہر کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حمل کے دوران میرے پاس ایک آنے والا آیا۔ میں نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھی اور کہنے لگا کیا تجھے احساس ہے کہ تو حاملہ ہے؟ گویا میں نے جواب دیا۔ میں نہیں جانتی۔ تو اس نے کہا تو اس امت کے سردار اور نبی کی ماں بننے والی ہے۔ یہ سوموار کے دن کا واقعہ ہے۔ اس خواب سے مجھے یقین ہو گیا کہ میرے بطن میں بچہ ہے۔ (۱)

زہری سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: دوران حمل مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوئی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کا تولد ہوا۔ (۲)

اس خواب کو دیکھ کر اور حمل کو محسوس کر کے میں چاہتی تھی کہ میرے پر لگ جائیں اڑ کر جاؤں اور یہ خوشخبری حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا سناؤں۔

اس کی خوشیاں گویا لوٹ آئی تھیں۔ فراق کی تلخی قدرے کم ہو گئی تھی۔ جدائی کو زیادہ عرصہ بیت گیا تھا۔ اب ہر دن ملاقات جس کا شدت سے انتظار تھا کے قریب کرتا جا رہا تھا۔ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین سا ہونے لگا تھا کہ عنقریب وہ مبارک گھڑی آنے والی ہے جس میں وہ اپنے بچھڑے ہوئے محبوب سے ملاقات کریں گی۔

---

(۱)۔(۲) عیون الاثر: ۱/۲۵ شرح المواهب۔ زرقانی: ۱/۱۰۶

آپ کو حمل کہاں واقعہ ہوا ایک قول شعب ابی طالب کا ہے کہ جمرۃ وسطیٰ کے قریب یہ زبیر بن بکار کی رائے ہے۔ دیکھیے عیون الاثر: ۱/۲۶۔ ایک قول کے مطابق حضرت وہب یعنی بنی زہرہ کے گھر۔ دیکھیے الاستیعاب ابن عبداللہ کی۔ ۱/۱۶۔ بھی راجح ہے۔

دوسرے مہینے کا چاند طلوع ہوا یا کچھ دن اس کے گزرے ہوں گے کہ قافلے کی واپسی کی باتیں ہونے لگیں۔ ''آمنہ'' نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی تیاری شروع کر دی۔ دن اور رات ایک ایک کر کے گنے جا رہے تھے۔ وہ اپنے خاوند کا تصور کرتیں کہ جب وہ اچانک آئے گا تو کیسا منظر ہوگا وہ اپنی وارفتگی اور محبت کے جذبات پر قابو نہیں پا سکے گی۔ اپنی حالت و کیفیت کو مخفی نہیں رکھ سکے گی۔ اور اچانک اسے نہ چاہتے ہوئے بھی خوشخبری سے آگاہ کر دے گی۔ یا پھر اسے ان سے چھپانے میں کامیاب ہوگی۔ وہ یہی سوچتی اور بہت خوش ہوتی۔

قافلے کی واپسی تک آمنہ انہیں خیالات میں گم رہی۔ قافلے کی واپسی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ بیرونی دروازے کی چوکھٹ سے لگ کر کھڑی ہوگئی کہ ابھی دروازہ کھلے گا اور وہ اپنے محبوب کے خوبصورت مکھڑے کو دیکھے گی۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔ ایک ایک ساعت کٹتے نہیں کٹتی تھی۔

انتظار کی گھڑیاں لمبی ہوگئیں۔ عبداللہ نہیں آئے۔ خیر تو ہے۔ اب آمنہ کی خوشیاں پھیکی پڑ گئیں۔ رہ رہ کے اسے مختلف اندیشے ستانے لگے۔ وہ سوچنے لگیں نہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ اس نے اچانک دیکھا اس کی لونڈی برکہ گھر نہیں تھی۔ شاید وہ مسافروں کے بارے کچھ جاننے کیلئے گھر سے باہر چلی گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہا کی آمد سے پہلے اپنی سیدہ کو ان کے محبوب خاوند کی آنے کی خوشخبری دے۔ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے بھاری کواڑوں کے ساتھ کان لگائے کھڑی تھی کہ ابھی باہر سے عبداللہ کے آنے کی آواز آئے گی۔ وہ سوچ رہی تھیں وہ کہاں غائب ہوگئے ہیں؟ آئے کیوں نہیں۔ میری طرف دوڑے کیوں نہیں آئے۔

پھر سوچا۔ شاید طواف کعبہ کے لیے رک گئے ہوں کہ ایک عرصہ کے بعد واپس آئے ہیں۔

یا شاید والد گرامی کی معیت میں آ رہے ہوں اور اس وجہ سے دیر ہوگئی ہو۔ اور اپنے والد گرامی کے احترام کی وجہ سے جلدی نہ کر رہے ہوں۔ شاید...... شاید......

قاصد یثرب کی راہ پر

آمنہ رضی اللہ عنہا پاؤں کی آہٹ سن کر دروازے سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ کوئی آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ سوچ کر کہ ابھی عبداللہ رضی اللہ عنہ سے آنکھیں دو چار ہونگی آمنہ کا چہرہ شرم کی وجہ سے سرخ ہو گیا ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔ اس کے پاؤں جیسے زمین میں گڑھ گئے ہوں۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی آنے والے کا انتظار کر رہی تھی۔

دروازہ کھلا۔ لیکن آنے والا عبداللہ تو نہیں۔ قریشی سردار عبدالمطلب تشریف لاتے ہیں۔ آمنہ کے والد گرامی وھب بھی ساتھ ہیں قریبی رشتہ داروں میں سے چند لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔ سب کے چہروں سے گھبراہٹ اور پریشانی جھانک رہی ہے۔

''برکہ ام ایمن'' حضرت آمنہ کی خادمہ سر جھکائے بڑی پریشان بوجھل قدموں سے اپنی مالکن کی طرف بڑھتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں جنہیں وہ چھپانے کی بے سود کوشش کرتی ہے۔

وھب اپنی پیاری بیٹی کے افسردہ چہرے پر نظریں جما دیتا ہے اور کہتا ہے۔

آمنہ! میری بیٹی حوصلہ رکھو۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ قافلہ واپس آ گیا ہے۔ ہم حرم میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب ہم سے عبداللہ نہیں ملے اور ہم پریشان ہوئے تو اس کے ساتھیوں نے بتایا سخت گرمی کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہوگئی ہے اور وہ راستے میں ہیں۔ عنقریب تندرست ہو کر بخیر و عافیت مکہ، قریش اور آپ کی طرف لوٹ آئیں گے۔

عبداللہ کے نہ آنے کی وجہ معلوم ہوگئی عبدالمطلب خاموش تھے کہ کس طرح آمنہ کو عبداللہ کی بیماری کی اطلاع دوں۔ کہنے لگے۔

آمنہ! وہ آیا ہی چاہتے ہیں۔ کچھ زیادہ تکلیف نہیں بس معمولی سا بخار ہے اس کے ساتھی کہے رہے ہیں کہ ہم انہیں یثرب میں ان کی ننھیال کے پاس چھوڑ آئے

ہیں میں نے ان کے بھائی حارث کو بھی بھیج دیا ہے تا کہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں اور جب وہ تندرست ہوں تو انہیں اپنے ساتھ گھر لے ائیں۔ ہمت سے کام لیجئے اور ان کے لیے دعا کیجیے۔

آمنہ نے !رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ہاں چچا جان میں ایسا ہی کروں گی۔

اور پھر بارگاہ خداوندی میں آہ وزاری کرنے لگیں اور عبداللہ کی واپسی کی دعا میں مشغول ہوگئیں۔ اچانک سب لوگ جو وہاں کھڑے اسے تسلیاں دے رہے تھے اسے گھر میں چھوڑ کو کعبہ شریف میں گئے اور عبداللہ کی صحت یابی کے لیے خشوع وخضوع سے دعاؤں میں مشغول ہوگئے۔

دوسرا مہینہ بھی اختتام کو پہنچا۔ آمنہ رضی اللہ عنہا برابر اس کوشش میں تھیں کہ کسی طرح اس پریشانی کا ازالہ ہو جائے۔ لیکن دل پر کس کو قابو ہے۔ اس کی ہر کوشش ناکام جاتی لیکن وہ دعا کے بغیر کر بھی کیا سکتی تھی۔ وہ صبح وشام بارگاہ الٰہی میں التجاء کرتی کہ مولا! کل جسے بہت بڑا فدیہ دے کر بچایا گیا ہے آج اسے واپس لوٹا دے۔

آنکھ اگر تھوڑی دیر کے لیے لگ جاتی تو بیٹھے خواب اس غم واندوہ کو کچھ کم کر دیتے۔ یہ خواب اس عظیم بچے کے متعلق ہوتے جسے آمنہ اٹھائے ہوئے تھی۔ وہ ھاتف غیبی کی آواز سنتی کہ تیرے ہاں عظیم ترین انسان کی پیدائش ہونے والی ہے۔ آمنہ جب بیدار ہوتی تو وہ بے حد غمگین ہو جاتی کیونکہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نہ پاتی اور جو کچھ خواب میں دیکھا اور سنا ہوتا اس سے بیان نہ کر سکتی۔

جانے والا نہ آیا

کچھ دنوں بعد......

حارث بن عبدالمطلب اکیلے واپس آ گئے۔

وہ کوئی خوشخبری لیکر نہیں آئے تھے۔ اپنے بوڑھے باپ اپنے بھائی کی دلہن، بنو ہاشم اور تمام قریشیوں کو اپنے بھائی عبداللہ کی وفات کی خبر دینے آئے تھے۔

جب قافلہ انہیں چھوڑ کر روانہ ہوا تو کچھ ہی دن بعد بنی نجار کے ہاں یثرب میں اپنے سسرال کے دوسرے لوگوں کے قریب انہیں دفن کر دیا گیا۔ آج ان کی طرف سے کوئی فدیہ قبول نہ کیا گیا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر آمنہ رضی اللہ عنہا کے لیے موت سے کہیں زیادہ سخت تھی۔ ان کی آنکھیں سخت ہوگئیں تھیں ایک آنسو بھی عبداللہ کے غم میں نہ ٹپکا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یوں، چند دنوں بعد ہی عبداللہ داغ مفارقت دے سکتے ہیں۔ اسی حیرانی نے انہیں بکھرنے اور منہدم ہونے سے بچالیا تھا۔ لیکن کب تک۔ آخر یہ کمزور سہارا بھی ٹوٹ گیا اور عبداللہ کی موت کانٹا بن کر آمنہ کے دل میں پیوست ہوگیا۔ آمنہ کی چٹیل آنکھیں بہہ نکلیں آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اشعار حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے غم والم کے انہیں دنوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جدائی میں کہے۔

عفا جانب البطحاء من زین ہاشم
وجاور لحداً خارجاً فی الغماغم

دعتہ المنایا دعوۃ فاجابھا
وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم

عشیۃ راحوا یحملون سریرہ
تعاورہ اصحابہ فی التزاحم

فان تک غالتہ المنون وریبھا
فقد کان معطاء کثیر التراحم

''بطحاء کی سرزمین ہاشمی خاندان کی زیب وزینت سے محروم ہوگئی ہے اور وہ رونق ہاشم (عبداللہ) دنیا کے ہنگاموں سے دور لحد میں سوگیا ہے۔ موت نے اسے آواز دی۔ اور اس نے اس آواز پر لبیک کہا۔ موت نے انسانوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی نہیں چھوڑا۔ رات کے وقت اس کی ناش کو (تدفین کیلئے) لے گئے۔ اس کے دوست یکے بعد دیگرے اس کی ناش کو کندھا دے رہے تھے اور بڑی بھیڑ تھی۔ اگر موت اور حوادثات زمانہ نے اسے عدم کی

نیند سلا دیا ہے (تو کیا ہوا) وہ تھے بڑے ہی سخی اور لوگوں پر رحم کرنے والے"۔

یہ مرثیہ کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گئی مگر آنکھیں چھم چھم برس رہی تھیں۔

عبدالمطلب آمنہ پر ٹوٹنے والی مصیبت سے بے خبر نہیں تھا۔ اس کے بیٹے اور بیٹیاں خود بھی اسی کرب سے گزر رہی تھیں لیکن آمنہ تو لٹ چکی تھی۔ اس کا سہاگ اُجڑ گیا تھا۔ تسلی کے الفاظ اسے کھوکھلے لگتے تھے۔

عروسی جوڑا جو عبداللہ کی خوشبو سے مہلک رہا تھا اتر گیا اور ماتمی لباس پہنے وہ مکہ میں سکونت پذیر ہو گئی۔ کل جو عورتیں اسے مبارک بادیاں دینے آ رہی تھیں آج اس کے گلے لگ کر عبداللہ کی جدائی پر نوحہ کناں تھیں۔

فدیہ کی خوشی کے فوراً بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ جب اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف گئے تو ان کی عمر صرف 18 سال تھی۔ اور آمنہ کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ ابھی باقی تھا کہ اسے بیوگی کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔

حصہ پنجم

درِ یتیم کی والدۂ ماجدہ

- ☆ جنین محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- ☆ نومولود محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- ☆ شیر خوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ماں کی کھوکھ میں پاکیزہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ما مصنت فترة من الرسل الا — بشرت قومها بک الانبیاء
فهنیئاًبه لآمنة الفضل — الذی شرفت به حواء
من لحواء انها حملت احمد — اوانها به نفساء

(البوصیری)

ادوار رسالت کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ انبیاء نے اپنی قوم کو تیری بشارت نہ دی ہو۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے آمنہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہیں وہ فضیلت نصیب ہوئی جس نے حواء (عورت) کو عزت وشرف عطا کر دیا۔

عورت پر اللہ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے احمد کو (اپنے رحم میں) اٹھائے رکھا یا (اس وجہ سے کہ) محمد ﷺ کی پیدائش پر اسے عارضہ نسوانیت (نفاس) سے گزرنا پڑا۔

،تم ختم ہوا۔ لیکن لوگ اپنے بچھڑنے والے دوست کے غم کو کیسے بھول سکتے تھے جو اپنی لحد میں ان سے بہت دور یثرب میں محو استراحت تھا۔

اگر اس نے یونہی بہت جلد اس دنیا سے کوچ کرنا تھا تو پھر فدیہ کیوں لیا گیا۔ جب سو اونٹ مکہ میں ذبح کیے گئے اور انسان اور حیوان کسی کو ان کے گوشت سے نہیں روکا جا رہا تھا تو کیا کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ موت چند قدم کے فاصلے پر کھڑی اس ذبیح اور فدیہ دیے جانے والے شخص کو تاڑ رہی ہے۔

آمنہ کے احساسات بھی یہی تھے۔ وہ اکیلے تنہائی کے عذاب کو جھیل رہی تھی اور جدائی کے صدموں کو برداشت کر رہی تھی۔ حتی کہ گھر والوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں

جدائی کا یہ غم جان لیوا ثابت ہو۔ عزیز رشتہ دار اسے تسلی دیتے تھے لیکن عبداللہ کے غم کو بھلانا آمنہ کے لیے ناممکن تھا وہ اسے صبر کی تلقین کرتے لیکن وہ انکار کر دیتی اور کہتی کہ جانے والے محبوب کی جدائی پر صبر اس سے بے وفائی ہے۔

ہاشم اور زہرہ کے خاندان والے بے حد پریشان تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آمنہ عبداللہ کے غم میں گھل گھل کر مر جائے گی۔ وہ ایک ڈیڑھ مہینہ تک مکہ میں تصویرِ غم بنی ٹھہری رہی اور سوکھ کر کانٹا ہوگئی۔

شوال کا مہینہ تھا۔ رات کے وقت کچھ لوگ ان کی عیادت کو آئے۔ یہ اپنے بستر پر پڑی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تصورات میں گم تھیں۔ عزیز رشتہ دار انہیں گھیرے صبر وہمت کی باتیں کر رہے تھے لیکن آمنہ ان کی باتوں پر توجہ دیے بغیر اپنے ہی غموں میں گھری چپ چاپ لیٹی تھی۔ انہوں نے کسی عورت اور مرد سے بات تک نہ کی۔

وہ سوچتیں اگر عبداللہ کو یونہی داغ جدائی دینا تھا تو پھر سو اونٹوں کا فدیہ کیوں۔ اگر اسے مجھے چھوڑ کر اس قدر جلدی جانا تھا تو پھر شادی کی رسمیں کیوں ادا ہوئیں۔ اگر انہوں نے مجھ سے اس قدر جلدی بچھڑ جانا تھا تو پھر زندگی کے سفر میں میرا ہاتھ کیوں تھاما تھا۔ وہ انہی خیالوں میں گم لیٹی سوچ رہی تھی تو کسی غیبی قوت نے کان میں آ کر کچھ کہا اور وہ اس راز کو سمجھ گئی کہ عبداللہ کو سو اونٹ قربان کر کے کیوں بچایا گیا۔ یہ سب کارِ عبث نہیں تھا بلکہ رب قدوس نے اسے مہلت دی تھی کہ وہ شادی کرے اور اس کی پشت میں جو نور ہے وہ آمنہ کے بطن پاک میں منتقل ہو جائے۔ وہ یہ جنین مجھے دینے کے لیے رکے ہوئے تھے جس نے ایک لحظہ پہلے میرے اندر حرکت کی ہے اور جس کے لیے میری زندگی کو وہ پسند کرتے تھے۔

ایسے مشکل وقت میں رب قدوس نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا پر اپنی جناب سے سکون بخش کیفیت نازل فرما دی جس نے اس کے سب غم غلط کر دیے اور وہ اپنے بیٹے کے بارے سوچنے لگی جس نے اس کے ذریعے زندہ رہنا تھا اور اسے بھی زندگی بخشنا تھی۔

بوڈلی اور اس طرح کے دوسرے مستشرقین سے ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا ایک ماں تھی۔ اور ایسے حالات میں ماؤں کے جذبات عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہم انہیں مجبور نہیں کرتے کہ وہ عرب راویوں کی ان باتوں پہ

یقین کریں جو انہوں نے بشارتوں اور غیبی خبروں کے بارے نقل کی ہیں۔ جو ماؤں کے پیٹوں میں بچوں کی مجد و بزرگی کی نشاندھی کرتے ہیں۔ جس طرح لیلیٰ بنت مھلھل کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب عمرو بن کلثوم اس کے پیٹ میں تھا تو ہاتف غیبی نے اس سے کہا تھا۔

یا لک لیلیٰ من ولد　　یقدم اقدام الاسد

من جشم فیہ العدد　　اقول قولاً، لافند

"اے لیلیٰ! یہ کیا ہی کمال بچہ ہے۔ (بڑا ہوگا تو) شیر کی طرح آگے بڑھے گا یہ جشم قبیلہ کا چشم و چراغ ہے۔ جو ایک بڑا قبیلہ ہے۔ میں یہ بات یقین سے کہتا ہوں۔ کوئی مزاق نہیں کر رہا" آمنہؓ کی ممتا پر بات کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کا جائزہ لیا جائے جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کا تعین کرتی ہیں۔

کیا جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو سرور کائنات ﷺ اپنی ماں کے رحم میں تھے؟

یا مصطفیٰ کریم ﷺ کی پیدائش کے بعد ان کا وصال ہوا؟

یقیناً کئی لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ یتیم پیدا ہوئے۔ اور اسی بیان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَآوٰی.

مشہور یہی ہے کہ آپ یتیم پیدا ہوئے۔ ابن اسحاق نے صرف اسی پر اکتفاء کیا ہے اور کسی اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ "رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت جلد وصال فرما گئے درآنحالیکہ رسول اللہ ﷺ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے"۔(۱)

ابن ہشام نے ابن اسحاق کی اس عبارت کو نقل کیا ہے اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس بارے سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے خوراک مہیا کرے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ شام میں تھے قریش کے قافلے کے ساتھ آئے۔ بیمار ہو گئے۔ اور اسی

---

(۱) السیرۃ: ۱/۱۶۷

غرض سے مدینہ میں قیام کیا۔ لیکن جانبر نہ ہو سکے اور وہیں وفات پائی یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔(۱)

یہ خبر بھی تواتر سے ثابت ہے کہ دودھ پلانے والیوں نے اس لیے آپ کو لینے میں دلچسپی ظاہر نہ کی کہ آپ یتیم پیدا ہوئے۔

نہایۃ الارب میں ہے۔ ''ان کے بھائی حارث یثرب گئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا تھا اور ان کی تدفین بھی ہو گئی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے''۔(۲)

لیکن سہیلی نے الروض الانف میں یہ نقل کیا ہے کہ ''اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کا وصال ہوا تو رسول اللہ ﷺ پنگھوڑے میں تھے اسے دولابی نے ذکر کیا ہے۔ ۔ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عمر دو ماہ تھی جب حضرت عبداللہ کا وصال ہوا۔ اسے ابن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ کی عمر دو ماہ سے بھی زیادہ تھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر اٹھائیس ماہ تھی۔(۳)

سیرت کو نشر کرنے والوں نے سہیلی کی عبارت کو جسے ہم نے تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے حاشیہ میں نقل کیا ہے اور اس پر تحقیق کی کوشش نہیں کی۔

برزنجی نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: مشہور قول کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ کے حمل کے دو ماہ مکمل ہو گئے تو آپ ﷺ کے والد گرامی عبداللہ کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ آپ شام سے واپس آتے ہوئے بیماری کی وجہ سے اپنے ننھال میں ٹھہرے تھے۔(۴)

---

(۱) الکامل لابن الاثیر: ۲/۱۳ وعیون الاثر: ۱/۲۶

(۲) النویری: ۶/۶۶

(۳) الروض الانف: ۱/۱۸۴۔ نہایۃ الارب: ۱۶/۶۶ وعیون الاثر: ۱/۲۴۔

(۴) المولد النبوی: ص ۱۲

شیخ علیش نے مولد مصطفیٰ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ان اقوال کو نقل کیا ہے جن کی طرف برزنجی نے اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی جب فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کی عمر سات ماہ تھی۔ جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر اٹھائیس ماہ تھی۔

ان اقوال کی صحت اور عدم صحت پر ہم بات نہیں کرتے۔ اسے محدثین کیلئے چھوڑتے ہیں۔ اکثر اہل علم کو یقین ہے کہ جب حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ جنین تھے۔ بوڈلی لکھتا ہے۔

عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے تمام بھائیوں میں چہیتا تھا۔ اگر موت انہیں مہلت دیتی تو بلاشبہ وہ اپنے والد کے وارث ٹھہرتے اور قریشی خاندان کے سردار ہوتے۔ لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ آپ ایک تجارتی قافلہ میں تھے کہ یثرب کے شہر میں موت نے انہیں اچک لیا جبکہ آپ کی شادی آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہو چکی تھی۔ آپ اپنے بیٹے کو نہ دیکھ سکے جس نے اگست 570ء میں آپ کی وفات کے چند ماہ بعد روشنی دیکھی''۔(۱)

''فیلپ ھٹی'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے وصال کا تذکرہ کرتا ہے۔ ان کے نزدیک بھی یہ سانحہ ولادت مصطفیٰ ﷺ سے پہلے وقوع پذیر ہوا۔ ہٹی نے بھی کسی اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا۔(۲)

ڈاکٹر محمد حسن ہیکل بڑے اطمینان ویقین سے اس سفر کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا جبکہ ان کی بیوی آمنہ امید سے تھیں۔ جب حمل کی مدت پوری ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی تو انہوں نے حضرت عبدالمطلب کی طرف آدمی بھیجا جو اس وقت کعبہ شریف میں تھے کہ ان کے پوتا پیدا ہوا ہے''۔(۳)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مفکرین جو حدیث کے بھی خادم ہیں کا رجحان اس روایت کی طرف ہے جس میں کہا گیا ہے رسول اللہ ﷺ اپنے والد گرامی کے وصال سے

---

(۱) الرسول ص ۲۸

(۲) تاریخ العرب: ص ۱۳۵۔ طبع دوم عربی ترجمہ

(۳) حیات محمد: ۶۹۔

پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ اس قبیل کے علماء میں ہم استاذ امین خولی کا نام ذکر کریں گے۔ یہ میلان اس لیے نہیں کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے قوی ہے اور اس وجہ سے پہلی روایت کی نسبت زیادہ قابل قبول ہے بلکہ علم نفسیات کو وہ بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوا تو وہ جسمانی، اعصابی اور خلقی اعتبار سے صحیح وسالم تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت گواہ ہے کہ آپ میں کسی قسم کا جسمانی اور اعصابی نقص نہیں تھا آپ نے کئی میدان ہائے کارزار میں داد شجاعت دی۔ جن میں سے ایک ہی میدان اس بات کی گواہی دینے کے لیے کافی تھا کہ رسول اللہ ﷺ جسمانی لحاظ سے سب لوگوں سے قوی تھے۔ آپ میں باقی انسانوں کی نسبت زیادہ حوصلہ تھا اور آپ کے اعصاب دوسرے لوگوں سے کہیں زیادہ مضبوط تھے۔ آپ ان تمام معرکوں میں ثابت قدمی اور جوانمردی اور شجاعت کا نمونہ ثابت ہوئے۔ جس سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو انہیں کسی قسم کی ذہنی اور جسمانی تکلیف سے نہیں گزرنا پڑا تھا۔

رہی قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ''اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی'' تو یہ دونوں روایتوں کی تائید کرتی ہے۔ یہ قول کہ رسول اللہ ﷺ یتیم پیدا ہوئے قدیم علماء سیرت کے نزدیک صحیح ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس واقعہ کے ساتھ یہ بات بھی بیان کی ہے کہ اپنے یتیم پوتے کی پرورش عبدالمطلب نے کی اور عورتوں نے اس لیے رضاعت کے لیے رغبت نہ دکھائی کہ آپ کے والد گرامی آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے وصال فرما گئے تھے۔

ہمیں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی معنوی حالت کو بیان کرنا چاہیے انہوں نے عبداللہ کے جنین میں وہ خوشی محسوس کی جس نے اس پر بھاری غم واندوہ کو کم کر دیا۔ اور نئی نویلی دلہن کی بیوگی کی تنہائی میں مونس وغمخوار بنی۔ آپ نے دوران حمل خواب دیکھے۔ اپنے بیٹے کے بارے ہاتف غیبی کی باتیں سنیں جیسا کہ احادیث میں یہ چیزیں بڑی شہرت کی حامل ہیں۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو طمانیت بخشی اور ان پر سکینت کا نزول ہوا۔

مکہ کے ہر گھر میں ایک خوش کن خبر گردش کناں تھیں۔ خاندان قریش کی عورتیں آمنہ کو بیٹے کی مبارک باد دینے اور مولود مبارک کے متعلق بشارتیں سننے کیلئے جوق در جوق

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر آ رہی تھیں۔

اس زمانے میں بلاد عرب میں ایسی باتیں کثرت سے مشہور تھیں کہ عنقریب وہ نبی آنے والا ہے جس کے متعلق یہودی علماء عیسائی راہب اور عرب کے کاہن باتیں کیا کرتے تھے۔ شاید عرب کے لوگوں نے پہلے پہل ایسی خبروں کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی ہو گی لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ان ارھصات اور بشارات پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے پوری توجہ دی ہو گی اور ان پر یقین کیا ہو گا۔ وہ اس بات کو کبھی بھی نہیں بھول سکتی تھیں کہ قریش کے جوانوں میں صرف اس کا مرحوم خاوند ہی ایک ایسا نوجوان تھا جنہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد فدیہ کی بزرگی حاصل ہوئی تھی۔

آمنہ رضی اللہ عنہا کے کانوں میں ورقہ بن نوفل اور فاطمہ بنت مر کی باتوں کی صدائے بازگشت بھی گونج پیدا کر رہی تھی۔ طبری اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق فاطمہ قبیلہ خثعم کی کاھنہ تھی اور اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بتایا تھا کہ اب وہ نور تیری پیشانی میں نہیں دیکھ رہی جو شادی سے پہلے دیکھا کرتی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ روشنی بنت وہب لے گئی۔ اور اب دوسری عورتوں کیلئے اس نے عبداللہ میں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں چھوڑا''

ان سب باتوں سے بڑھ کر سیدہ آمنہ مکہ کے ایک ایسے خاندان کی بہو تھی جو دوسرے خاندان سے بلند مرتبہ اور جاہ وحشمت کا مالک تھا اور اس خاندان کی عورتیں بہت دور کی سوچتی تھی۔ اور وہ امید کرتی تھیں کہ ان کے پیٹوں میں پرورش پانے والے جنین مجد و بزرگی میں دوسروں سے کہیں آگے ہوں گے۔

جمہور مسلمان مؤرخین ان بشارات اور ان غیبی باتوں کو رد نہیں کرتے جو حضرت سید العالمین کے حمل کے دوران انہیں الہام کی جاتی تھیں۔ اگرچہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے ان تمام روایات سے صرف نظر کیا ہے اور کہا ہے ''حمل کے (نو) مہینے پورے ہوئے حتیٰ کہ ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی جس طرح عام عورتوں کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے''۔

اکثر مستشرقین ان روایات کا صریح انکار کرتے ہیں حتیٰ کہ بوڈلی جو ان تمام میں سے زیادہ انصاف پسند اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا شیدا ہے وہ بھی حضرت آمنہ

کے خوابوں کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''الرسول'' میں کہتا ہے۔

''ولادت نبوی کوئی راز سربستہ نہیں۔ سوائے چند خرافات کے جنہیں عقل قبول نہیں کرتی ایسے واقعہ کی نشاندھی نہیں ہو سکتی جس کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکیں کہ آپ ﷺ رب قدوس کے چنیدہ تھے یا آپ کی ولادت سے پہلے فرشتوں نے حضرت آمنہ کی زیارت کی اور بچے کی پیدائش پر خوشخبری دی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت آمنہ عام عورتوں کی طرح حاملہ ہوئیں اور اسی طرح بچے کو جنا جس طرح دوسری عورتیں بچہ جنتی ہیں''

بوڈلی کی یہ گفتگو پڑھ کر مجھے بے حد افسوس ہوا۔ ایسا عالم جو جسے میں معتدل سمجھتی ہوں اور میرے نزدیک وہ تاریخی واقعات کو بیان کرتے ہوئے پوری علمی امانت داری کا ثبوت دیتے ہیں اور کسی صورت منہج تاریخ کو ترک نہیں کرتے۔ اس کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ کی پیدائش عام بچوں کی طرح ہوئی اور فرشتوں کی بشارتیں محض خرافات ہیں قابل افسوس ہے۔ ایسی باتوں کا تو کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ آپ ﷺ نوع بشر کی عام افراد کی طرح اپنی ماں کے پیٹ میں رہے اور پیدا ہوئے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے خوابوں اور قلبی کیفیات کو خرافات کا نام کیوں دیا جائے۔ کیا حضرت آمنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے ایسی زندگی والے خواب دیکھیں جو آپ سے پہلے کسی کے حصہ میں نہ آئی ہو۔

اگر بوڈلی نفسیات کے علماء سے پوچھتے تو یقیناً وہ بھی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے خوابوں کو خرافات کا نام دینے سے انکار کرتے۔ ان خوابوں کو ہم خرافات کا نام صرف اسی صورت میں دے سکتے ہیں جب ہم سیدہ آمنہ کو بشریت اور ممتا کی امیدوں سے خالی خیال کریں کوئی ایسی عورت نہیں جس کے پیٹ میں بچہ ہو اور وہ اپنے بیٹے کے لیے خاندان اور حالات کے مطابق بلند ترین مقام کی تمنائی نہ ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت سیدہ آمنہ کا گھرانہ عزوشرف اور حسب ونسب کے لحاظ سے دوسرے گھروں سے بہت آگے تھا جیسا کہ ان کے خاوند عبداللہ بن عبدالمطلب بن حاشم کو ایسے حالات پیش آئے جن میں دوسرا کوئی ان کا شریک نہیں تھا۔ تو پھر یہ بات کیونکہ بعید ہو سکتی ہے کہ حضرت

آمنہ رضی اللہ عنہا کے خواب دوسری عورتوں سے مختلف ہوتے اور وہ ہاتف غیبی کی یہ آواز سنتیں کہ عنقریب تو اس امت کے سردار کو جنے گی۔

کیا سیدہ آمنہ ہند بنت عقبہ سے ان بشارات اور خوابوں کی زیادہ حقدار نہیں جس نے غیبی آواز کے جواب میں کہا تھا کہ اس کا بیٹا اپنی قوم کا سردار بنے گا۔ ھند کے الفاظ کچھ اس طرح تھے ''اس کی ماں اسے روئے اگر وہ اپنی قوم کا سردار نہ بنے''(۱)

جب عمرو بن کلثوم پورا ایک سال کا ہو گیا تو رات کو ھاتف نے کہا:

انی زغیم لک ام عمرو　　بما جد الجد کریم النجر

اشجع من ذی لبد هزبر　　یسودهم فی خمسة وعشر

اے عمرو کی ماں مجھے ایک نہایت ہی عزت والے کریم النسب بچے کی ضمانت دیتا ہوں۔ جو ببر شیر سے زیادہ بہادر ہوگا اور پندرہ سال کی عمر میں اپنی قوم کا سردار بنے گا''۔

کہتے ہیں کہ وہ واقعی اپنی قوم کا سردار بنا حالانکہ اس کی عمر پندرہ سال سے زیادہ نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح ''عتبہ بنت عضیف'' کے بارے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس ھاتف غیبی آیا اور اس سے پوچھا۔

تیرے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرنا چاہتی ہے۔ کیا ایک ہی سخی بچہ تجھے پسند ہے جسے حاتم کہا جائے یا دس بچے جو عام لوگوں کی طرح ہوں۔

عتبہ نے جواب دیا تھا کہ مجھے دس نہیں ایک حاتم چاہیے۔

''خبیئة بنت رباح الغنویه'' کے بارے میں ایسی ہی باتیں کرتے ہیں کہ ایک رات خواب میں اس نے غیبی آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا:

کیا تجھے دس گر جانے والے بچے چاہیں یا تین جودس کی طرح ہوں۔

دوسری رات اس نے پھر خواب میں یہی آواز سنی اور اپنے خاوند سے بات کی۔ خاوند نے اس سے کہا اگر آج کی رات پھر کوئی ایسی آواز سنائی دے تو کہنا تین بچے چاہیں جودس کی مانند ہوں۔

---

(۱) عیوان الاجنار از ابن قتیبہ: ۲۲۴/۱

تیسری رات جب ہاتف غیبی نے آواز دیکر پوچھا تو حبیبہ نے کہا مجھے دس کی مانند تین بیٹے چاہیں۔ سواس کے ہاں خالد، مالک اور ربیعہ تین بیٹے ہوئے اور عرب کے بہترین انسان شمار ہوئے۔

بوڈلی نے اپنی کتاب ''الرسول'' لکھتے وقت کتب سیرت اور پہلے اسلامی مورخین کی کتابوں کو مصادر و مراجع کی حیثیت دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے آج کی عرب دنیا کا جائزہ بھی لیا ہے جو اس علاقہ میں زندگی گزار رہے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے زندگی گزاری تھی۔ کیونکہ وہ محمد ﷺ کے متعلق اس طرح بات نہیں کرتے جس طرح ایک بہت ہی پراسرار آدمی کے بارے کی جاتی ہے۔ آپ ﷺ بکریاں چراتے رہے ہیں۔ عربوں کا سا لباس پہنا ہے۔ جس طرح وہ اونٹوں کی سواری کرتے ہیں اس طرح انہوں نے بھی اونٹ کی سواری کی ہے۔ جس قسم کی کھجور پر ان کی گزر بسر تھی اس کھجور پر آپ ﷺ بھی گزر اوقات کرتے رہے۔

اس طرح یہ لوگ ہر اس کام میں شریک ہیں جو محمد ﷺ نے سرانجام دیا۔ ان کی وجہ سے حضور ﷺ انہیں میں سے ایک فرد کی حیثیت سے زندہ ہیں۔

''میرے لیے ان تیرہ صدیوں کے منظر کو پیش کرنا آسان ہے بنسبت اس زندگی کی تصویر کے جو ملکہ الزبتھ کے دور میں اکسفورڈ کی ہے۔ اور یہ منظر زیادہ واضح اور بسیط ہوگا اس منظر سے جو ایک امریکی مؤرخ متحدہ امریکی امارات کے متعلق جنگ آزادی سے پہلے پیش کرسکتا ہے۔

محمد ﷺ کے بہت سے ساتھی آپ کے بعد زندہ رہے اور انہوں نے یہ حسین یادیں اپنی اولاد کے دلوں پر بھی نقش کیں''۔

''میں عربوں کو بہت قریب سے دیکھ چکا ہوں اور ان کے خیموں میں رہ چکا ہوں یہ خیمے مجھے بہت پسند ہیں۔ میں گمان کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کی طرح سوچ سکتا ہوں۔ ان کی طرح محسوس کرسکتا ہوں اور ان کی مشکلات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں''

بوڈلی کے خیالات آپ نے پڑھے۔ کچھ بعید نہیں کہ وہ سیرت نگاروں کے اجماع کا انکار کرے اور ان تمام خوابوں اور مکاشفات کو جھٹلا دے جو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس شخصیت کی پیدائش کے وقت جس کی غیبی نشانیوں نے جزیرۂ عرب کو بھر دیا تھا۔ دیکھیں بوڈلی اور اس کی قوم کے افراد معذور ہیں کہ وہ ان غیبی خبروں خوابوں اور بشارتوں پر یقین نہیں کرتے۔ لیکن ہمارے نزدیک تو یہ سب چیزیں نبوت کی علامات اور نشانیاں ہیں۔ اور ہم ان کے سچا ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں کرتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کے بعد اور قیامت تک روئے زمین پر انسان سچے خواب دیکھتے ہیں۔ مائیں جانتی ہیں کہ بیٹوں کے مستقبل کے بارے انہیں آگاہ کیا جاتا ہے۔ ان غیبی آوازوں، خوابوں اور بشارتوں کا بھلا وہ کیسے انکار کرسکتے ہیں۔

کیا معاملہ یہاں تک نہیں پہنچا ہوا کہ بنی نوع انسان کی ہر عورت جو عرصہ حمل سے گزرتی ہے جانتی ہے کہ مائیں خواب دیکھتی ہیں۔ اور ہر عورت چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا بزرگی اور بڑائی کی اس حد کو پہنچے کہ اس کے ہم عصر اور ہم عمر اس سے پیچھے رہ جائیں۔ خوابوں کی نوعیت اور ان کی پہنچ مختلف ہوسکتی ہے۔ کیونکہ خوابوں کا تعلق ان حالات اور سماج سے بڑا گہرا ہوتا ہے۔ جس سے ماں کو واسطہ پڑتا ہے اور جسے وہ اپنے سامنے دیکھتی ہے۔

سیدہ آمنہ کی ولادت ام القریٰ (مکہ) میں بیت اللہ شریف کے قریب واقع ہوئی۔ آپ بنو زھرہ کے سردار کی لخت جگر تھیں۔ یہ وہ خاندان ہے۔ جس کی عظمت اور بے مثال دینی عزت سے ہم واقف ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انہیں جو جاہ و جلال حاصل تھا کسی اور کو نہیں۔ سیدہ آمنہ کی شادی عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ سے فدیہ کے واقعہ کے فوراً بعد ہوئی۔ یہ وہ عزت تھی جو حضرت اسماعیل کے بعد صرف انہیں کے حصہ میں آئی تھی اور اس نے ان کی جد امجد اسماعیل کی یاد تازہ کر دی تھی۔ اولین سیرت نگار حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سیدہ آمنہ اپنے دور کی قریش بھر میں سب سے اعلیٰ نسب اور بلند مرتبہ خاتون تھیں۔

سیدہ نے وہ کہانیاں بھی سنیں کہ بڑے بڑے خاندانوں کی بیٹیوں نے عبداللہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف تھیں کہ جب ان کی

شادی ہوگئی تو انہوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ ہوسکتا ہے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے ان کے یہ جذبات محض ان کا تخیل اور فدیہ کے واقعہ کے اثر کا نتیجہ ہوں لیکن کیا اس واقعہ نے حضرت سیدہ آمنہ پر کسی قسم کا اثر نہ چھوڑا جب کہ وہ ان کے اکلوتے بیٹے کو اپنے رحم میں اٹھائے ہوئے تھیں۔ اور یہ جنین منافین (۱) کا پوتا ہاشم اور آل زھرہ کا فرزند تھا۔

کیا ایسی عورت کے لیے بعید ہے کہ وہ خواب دیکھے۔ اپنے ہونے والے بیٹے سے ایسی امیدیں وابستہ کرے جو اس کی خیالات کی حدود سے پرے اور اس کے تمناؤں سے آگے ہوں اور وہ دیکھے کہ اس کے بطن سے نور پھوٹا۔ جیسا کہ تواتر سے ثابت اور جیسے ابن اسحاق نے بطور نص ذکر کیا ہے۔ (۲)

ہم دوبارہ سیدہ آمنہ کی صحبت کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کے واقعات کو ہم وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ وہ اپنے گھر میں ہیں حضرت عبداللہ ہمیشہ کے لیے ان سے بچھڑ گئے ہیں۔ اور انہیں حزن وملال کے حوالے کر کے ابدی نیند سو گئے ہیں۔ اب وہ ہیں اور عبداللہ کی جدائی کا غم ہے سب کچھ لٹ گیا ہے سوائے اس بچے کے جو اس کے رحم میں حرکت کرتا محسوس ہوتا ہے اور اس سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہ کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔

حتی کہ جب حمل کے ایام پورے ہوگئے تو ایک شام حضرت عبدالمطلب تشریف لائے اور حضرت آمنہ سے مخاطب ہوئے۔ بیٹا تیاری کرلو۔ ہمیں دوسرے خاندان قریش کے ساتھ مکہ شہر سے باہر پہاڑی گھاٹیوں اور کھوؤں میں چھپنا ہوگا کیونکہ یمن کا حبشی بادشاہ ابرھہ اس شہر پر لشکر کشی کرنے والا ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اگرچہ ابرھہ کے لشکر جرار کی آمد کے بارے پہلے ہی سے سن چکی تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ معاملہ اس قدر نازک صورت اختیار کر جائے گا کہ قریش کو مکہ کو شہر چھوڑ کر پہاڑوں میں چھپنا پڑے گا۔

---

(۱) منافین سے مراد عبد مناف بن قصی بن کلاب جو حضور ﷺ کے دادا جان ہیں اور عبد مناف بن زھرہ بن کلاب جو آپ ﷺ کے نانا ہیں۔

(۲) السیرۃ: ۱۶۶/۱۔ نہایۃ الارب: ۶۴/۱۶۔

حضرت سیدہ آمنہ نے حضرت عبدالمطلب سے پوچھا۔

چچا جان! میں نے تو سنا ہے کہ قریش، کنانہ، ھذیل اور حرم کے دوسرے تمام لوگوں نے اس باغی سے لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ کعبہ شریف کو چھوڑ کر باہر جا رہے ہیں اور جنگ نہیں کر رہے۔

حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا۔

وہ جانتے ہیں کہ ابرھہ سے جنگ ان کے بس میں نہیں۔ وہ ایسی لڑائی کو ناپسند کرتے ہیں جس میں قریش پگل جائیں اور نتیجہ ہر صورت میں شکست فاش ہو۔

سیدہ آمنہ لمحہ بھر کیلئے خاموش رہی پھر اسے رئیس مکہ عبدالمطلب اور ابرھہ کی ملاقات یاد آ گئی جس کے متعلق اس نے لوگوں سے سن رکھا تھا۔ اس لیے انہوں نے دوبارہ سوال کیا۔

چچا جان۔ ابرھہ سے آپ کی ملاقات بھی تو ہوئی۔ کیا نتیجہ رہا؟

رئیس نے جواب دیا۔

ہاں ہماری اس کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کی کوشش ابرھہ نے کی تھی میں نے نہیں۔ کیونکہ جب وہ مکہ کے مضافات میں پہنچا تو اس نے ''حناطۃ حمیری'' کو یہ کہلا بھیجا۔

''اس شہر کے رئیس اور بڑے آدمی کے بارے پوچھنا اور پھر کہنا کہ بادشاہ کا کہنا ہے: میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے نہیں آیا۔ میں اس گھر کو ویران کرنے آیا ہوں۔ اگر تم آڑے نہ آئے تو مجھے تمہارے خون بہانے سے کچھ غرض نہیں۔ اگر وہ جنگ کا خواہاں نہیں تو اسے میرے پاس لے آؤ''۔

حناطہ میرے پاس آیا۔ ابرھہ کا خط پہنچایا اور میرا جواب لیکر واپس لوٹا۔ میرا جواب تھا۔ بخدا ہم جنگ نہیں چاہتے اور نہ ہم جنگ کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا پاک گھر ہے۔ اس کے دوست ابراہیم کا گھر ہے۔ اگر وہ اس کی حفاظت کرے گا تو یہ اس کا گھر اور حرم ہے اور اگر وہ ابرھہ کو لشکر کشی سے نہیں روکتا تو بخدا پھر ہم بھی اس کا دفاع نہیں کر سکتے۔

حناطہ نے کہا:

میرے ساتھ چلیے۔ کیونکہ یہ بادشاہ کا حکم ہے۔

میں اس کے ساتھ چل دیا۔ میرے ساتھ میرے کچھ بیٹے بھی تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو کسی شخص نے جا کر ابرھہ کو میری آمد کی اطلاع دی اور کہا ''اے بادشاہ معظم! قریش کے سردار دروازے پر کھڑے آپ کی اجازت کے منتظر ہیں۔ وہ مکہ کی ساری آبادی کے سردار ہیں۔ وادی میں لوگوں کی وہ ضیافت کرتے ہیں کہ پہاڑی چوٹیوں پر درندے انتظار میں ہوتے ہیں۔ (کہ جو انسانوں سے بچے گا ہم کھائیں گے)''

ابرھہ نے میری بڑی عزت و تکریم کی۔ مجھے اس نے اپنے سے الگ نہیں بٹھایا۔ اس نے مجھے اپنے تخت پر بٹھانا تو مناسب خیال نہ کیا کہ حبشی اسے برا خیال کریں گے لیکن میری تکریم کی خاطر خود زمین پر آ کر میرے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے گویا ہوا۔

رئیس مکہ سے پوچھیے مجھ سے کوئی کام ہو تو بتایئے۔

جب میں نے یہ جواب دیا کہ ''مجھے میرے دو سو اونٹ واپس کر دیجئے جسے تیرے فوجی پکڑ کر لے آئے ہیں''

تو بادشاہ پر یہ بات ظاہر ہوئی گویا میں اس کی نظروں میں چھوٹا ہو گیا ہوں۔ اور اس نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ اس نے فوراً ترجمان سے کہا ''اس سے کہے: جب میری تجھ پر نظر پڑی تھی تو میں تیری شخصیت سے بے حد متاثر ہوا تھا لیکن تو نے اونٹوں کا سوال کر کے اپنی حیثیت کم کر دی۔ تو دو سو اونٹوں کی بات کرتا ہے جسے میرے فوجی ہانک کر لے آئے ہیں لیکن اس گھر کے بارے کوئی بات نہیں کرتا جو تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔

میں نے فوراً جواب دیا۔

میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے انہیں کی بات کر رہا ہوں اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو خود اس کی حفاظت کرے گا۔(۱)

اس فاجر نے اپنی قوت کے نشے میں کہا: میرا راستہ روکنے والا کوئی نہیں میں نے پرعزم ہو کر کہا: تو جانے اور کعبہ کا مالک جانے۔

---

(۱) سیرت ابن اسحاق: ۵۱/۱۔ تاریخ طبری ص ۹۴۰۔ حصہ اول۔ مطبوعہ یورپ۔

میرے ساتھ ھذیل قبیلہ کا سردار بھی تھا۔ انہوں نے تہامہ کے تہائی پیداوار کی پیشکش کی کہ وہ بیت اللہ شریف کو نہ گرائے لیکن اس نے غرور سے یہ پیش کش ٹھکرا دی اور حکم دیا کہ میرے اونٹ مجھے واپس کر دیے جائیں۔

ہم واپس آ گئے۔ میں نے قریش کو آ کر بتایا کہ صورت حال بہت نازک ہے۔ اور انہیں حکم دیا کہ مکہ سے نکل جاؤ پھر میں نے کعبہ شریف کی زنجیر پکڑ کر بارگاہ خداوندی میں التجا کی۔ میرے ساتھ چند اور قریشی بھی تھے۔ کہ مولا! ہمیں ابرھہ اور اس کے لشکر پر فتح عطا کرنا۔

حضرت عبدالمطلب نے لمحہ بھر کے لیے سر جھکایا اور پھر آسمان کی طرف نظر کر کے آہ وزاری کرتے ہوئے کعبہ کی زنجیر کو پکڑ کر یہ شعر کہے۔

لاھم ان العبد یمنع رحلہ فامنع حلالک

جروا وجموع بلادھم والفیل کی یسبوا عیالک

''اے اللہ! بندہ اپنی سواری کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے حرم پاک کے مال و متاع کی حفاظت کر''

اِنْ کنت تارکھم وقِبْ و کعبتنا لَتنا فامۃ مابدالک

''اگر تو ہمارے قبلے کو اس کی حالت پر اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دے (تو تجھے اختیار ہے) یہ معاملہ تجھ پر مخفی نہیں''۔

یا رب ارجو لھم سواکا   یا رب فامنع منھم حماکا

ان عدق البیت من عاداکا   امنعھمو ان نحربو افناکا

''اے میرے رب ان سے بچنے کی تیرے سواء میں کوئی امید نہیں دیکھتا اے میرے پروردگار ان سے اپنی حمایت روک دے۔

اس گھر کا جو بھی دشمن ہے وہ تیرا دشمن ہے۔ انہیں روک دے تا کہ وہ تیرے گھر کو برباد نہ کریں''

یہ اشعار سن کر حضرت آمنہ نے بھی یہ مصرعہ دہرایا۔

یا رب لا ارجولم سواکا

اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب نے انہیں خدا حافظ کہا اور باہر تشریف لے گئے تا کہ ان کی خدمت میں کسی کو بھیجے جو انہیں کل صبح ساتھ لیکر نکلے اور دوسرے تمام کوچ کرنے والوں کے ساتھ کوچ کرے۔

آمنہ اب اکیلی بیٹھی اپنے بچے کے بارے سوچنے لگیں جن کی پیدائش کا وقت قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ وہ یہ سوچ کر لرز گئیں کہ بچے کی پیدائش حرم پاک سے دوران کے والد عبداللہ کے گھر سے باہر کسی اور جگہ ہوگی۔

اس سوچ نے اسے پریشان کر دیا۔ دن کا چین اور رات کی نیند چھن گئی۔ لیکن وہ فوراً اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔ انہیں یقین تھا اللہ تعالیٰ ضرور اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ بھلا باغیوں اور جابروں کو پہلے کب حرم پر جسارت کرنے کی توفیق ہوئی ہے۔

وہ یہ سوچ کر بڑی پرسکون نیند سو گئیں حتی کہ صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ وہ چاہتی تھیں کہ حرم کے پڑوس میں واقع اپنے اسی مکان میں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے کو ظاہر کر دے۔

چاشت کا وقت ہو چلا تھا لیکن ابھی تک اس کے خاندان کا کوئی فرد اسے لینے نہیں آیا تھا۔ پورا دن بیت گیا۔ بس سورج کے غروب ہونے میں چند ساعتیں باقی تھیں۔ وہ حیران تھیں کہ حضرت عبدالمطلب نے کسی شخص کو اطلاع کے لیے بھی نہیں بھیجا تھا۔ اس قدر خاموشی کیوں ہے۔ ایک خطرناک سکوت مکہ کے تمام خاندانوں پر خیمہ زن ہے۔ گویا ہر قبیلہ سانس تک لینا بھول گیا ہے۔

بہت دور جنوب کی طرف سے شور سنائی دیا۔ لیکن لوگ کیا کہہ رہے ہیں کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ سیدہ آمنہ نے سوچا کیا دعائیں کی جا رہی ہیں۔ یا نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ آہ و زاری ہے یا ہاؤ ہو۔

ضرور کوئی انہونی ہے   شور بے وجہ نہیں

حضرت سیدہ آمنہ دریچے سے لگ کر کھڑی ہو گئی کہ کسی طرف سے کوئی آئے تو حالات سے آگاہی ہو۔ لیکن شور بلند ہو رہا تھا اور بس۔ اسی اثناء میں سورج پہاڑوں کے

پیچھے چھپ گیا۔ سیدہ کے عزیز و اقارب گھروں کو آئے لیکن سیدہ کو ساتھ لے جانے اور بھاگ جانے کے لیے نہیں بلکہ نجات کی خوشخبری دینے۔

کیا ہوا۔ سیدہ نے بے صبری سے پوچھا:

ابرھہ بضد تھا کہ حرم میں داخل ہوگا اور کعبہ کی عمارت کو منہدم کرے گا۔ اس نے اپنے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ فیل بانوں نے ہاتھیوں پر پلان کسے۔ ابرھہ کا مشہور دیو ہیکل ہاتھی بھی تیار ہوا۔ لشکر کو روانگی کا حکم ملا۔ کہ کعبہ کی عمارت کو ویران کرو اور واپس یمن کی تیاری کرو۔ لیکن ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ ابرھہ کے ہاتھی نے گھٹنے ٹیک دیے۔

اس کے سر پر لوہے سے بنے خاص آلہ سے ٹھوکریں ماری گئیں۔ پہلو میں نیزے چبھوئے گئے لیکن جیسے اس نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا ہو۔ فیل بانوں نے اس کا رخ پھیرا جونہی اس کا رخ کعبہ سے یمن کو ہوا وہ اٹھ کر دوڑ پڑا۔ شام کی طرف چلانا چاہا تو چل دیا۔ مشرق کی طرف ہانکا تو اس نے دوڑ لگا دی۔ لیکن جب بھی مکہ شریف کی طرف اس کا منہ پھیرا گیا وہ بیٹھ گیا۔

ہاتھی اڑیل نہیں تھا۔ وہ سدھایا ہوا مشہور مست ہاتھی تھا۔ اگر سوار اسے آگ میں کود جانے کو کہتا تو کود جاتا لیکن شاید وہ کعبہ کے تقدس کو جانتا تھا۔ اسی لمحے اصحاب فیل پر عذاب خداوندی نازل ہوا۔ ایک مہلک وباء پھیلی۔ ابابیل پرندے ہوا میں بلند ہوئے اور انہوں نے لشکر پر جراثیم کی بارش کر دی اور انہیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔ (۱)

لشکری خوف اور دہشت سے پاگل ہو گئے۔ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور یمن کی راہ لی۔ لیکن رہنما کے بغیر طویل سفر کیسے طے کریں گے۔ یہ عذاب اور سامنے ایک وسیع و عریض صحراء گویا ہر طرف موت ہی موت غراتی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے نفیل بن حبیب خثعمی کو

---

(۱) اسی بارے سورت فیل کا نزول ہوا۔
قرآن کریم نے کسی جرثومے کا ذکر نہیں کیا۔ قدیم و جدید مفسرین بھی اس واقعہ کی تاویل نہیں کرتے۔ مغرب زدہ ذہنیت کی مرعوبیت اسی سے عیاں ہے کہ قرآن کریم کی معجزاتی پہلو کی نفی کی جاتی ہے اور یوں قرآن و صاحب قرآن کو عام حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ واقعہ ارھاصات سے تعلق رکھتا ہے اور کسی تاویل کو قبول نہیں کرتا۔

تلاش کیا۔ جسے وہ قیدی کر کے ساتھ لائے تھے کہ وہ ان کی رہنمائی کرے۔ یاد رہے جب ابرہہ بنو خثعم کے علاقے سے گزرا تھا تو انہوں نے اس سے جنگ کی لیکن ہزیمت اٹھائی اور نفیل قید کرلیا گیا۔ اس نے جان کی امان چاہی اور کہا میں تمہیں مکہ تک پہنچاؤں گا۔ بہر حال وہ اب نفیل کے بارے پوچھتے پھر رہے تھے۔ لیکن کوئی نہیں تھا جو ان کی کسی بات پر توجہ دیتا۔ نفیل بھی ان کی بات پر توجہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یمن کے یہ لوگ چیخ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کوئی ہو جو ہمیں یمن کی راہ دکھائے۔ لیکن خدائی فیصلہ ہو چکا تھا۔ حتی کہ ان کو بلند آواز سے جواب دیا گیا۔

این المفر والا لہ الطالب　　　والا شرم المغلوب لیس الغالب (۱)

''بھاگ کر کہا جائے گا الہ العالمین تیرا پیچھا کر رہا ہے۔ اور تو ناک کٹا مغلوب ہے نہ کہ غالب''۔

یا کوئی کہہ رہا تھا۔ (۲)

وکل القوم یسأل عن نفیل　　　کان علی للحبشان دینا

''پوری قوم نفیل کے بارے پوچھ رہی ہے۔ گویا مجھ پر حبشیوں کا کوئی قرض ہے'' وہ گرتے پڑتے مختلف راستوں پر چل دیے۔ جگہ جگہ ان کی لاشیں پڑی تھیں۔ اور ابرہہ کا جسم بکھر کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ حتی کہ اس کے ہاتھ انگلیوں کے پورے بھی بکھر گئے تھے۔

جیسا کہ ابن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عرب کی زمین نے جتنا خسرہ اور چیچک اس سال دیکھی کبھی نہ دیکھی ہو گی۔

قریش کعبہ شریف کا طواف کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ دور دراز سے لوگ کعبہ شریف کے طواف اور نماز کی غرض سے آئے۔ شعراء نے حرم پاک کی تعریف میں قصیدے رقم کیے۔

(۱) سیرت ابن ہشام: ۵۵/۱

(۲) یہ شعر نفیل کا ہے۔ ابن اسحاق نے اس کے چھ شعر ذکر کیے ہیں دیکھیے جلد ا ص ۵۵۔

فتنکلوا عن بطن مکۃ انہا　　　کانت قدیما لا یرام حریمها

سائل امیر الجیش عنها ما رای　　　ولسوف یتبی الجاهلین علیهما

ستون الفا لم یؤبوا ارضهم　　　بل لم یعش بعد الایاب سقیمها (۱)

وہ شہر مکہ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے کیونکہ یہ وہ گھر ہے جس کی عزت کو پامال کرنے کا قصد زمانہ قدیم سے نہیں کیا جاتا۔

اس واقعہ کے بارے لشکر کے امیر سے پوچھ کہ اس کو کیا نظر آیا۔ یقیناً اس واقعہ کو جاننے والا لابلد لوگوں کو اطلاع دے گا۔

چھ ہزار افراد اپنی سرزمین واپس نہ جاسکے بلکہ جو کمزور واپس گیا تو وہ بھی زیادہ دیر تک زندہ نہ بچ پایا''۔

ان باتوں کی صدائے بازگشت آمنہ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ وہ اٹھ کر نماز شکر ادا کرنے لگیں۔ نور یقین سے ان کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے بے حد خوشی محسوس کی کہ مولا نے ان کی دعا سن لی اور ان کے بیٹے عبداللہ کے لخت جگر کو حرم سے دور پیدا کرنا مقدر نہ ٹھہرایا۔

مولود مسعود

ولد الهدی فالکائنات ضیاء
وفم الزمان تبسم وثناء
الروح والملأ الملائک حوله
للدین والدنیا به بشراء
والعرش یزهو والحظیرة تزدهی
والمنتهی، والسدرة العصماء
(شوقی)

(۱) عبداللہ بن زبعری سہمی کے ان اشعار کو ابن اسحاق نے روایت کیا ہے ۵۹/۱۔

’’سراپا ہدایت نے جنم لیا اور کائنات روشن ہوگئی۔ وقت کا چہرہ تبسم کناں ہوا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف ہونے لگی۔

جبریل آمین اور فرشتوں کی جماعت نے بچے کو گھیر لیا۔ اس وجود مسعود کے طفیل دین و دنیا کی بشارتیں مل گئیں۔

عرش وجد کناں ہوا اور جنت اترانے لگی۔ اور عرش اور سدرۃ المنتہی بھی فخر کرنے لگے۔‘‘

واقعہ فیل کے بہت تھوڑے عرصہ بعد ولادت کی خوشخبری پھیل گئی۔ بعض لوگوں کے نزدیک پچاس دن بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ یہی قول اکثر علماء سیرت نے روایت کیا ہے اور اسی کو شہرت حاصل ہے۔ جیسا کہ سہیلی نے الروض الانف میں نقل کیا ہے۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کی ولادت واقعہ فیل کے دن ہوئی۔ دوسرے محدثین نے عام الفیل ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ (۲)

سیدہ آمنہ نے ربیع الاول کی ایک چاندنی رات میں دوبارہ یہ خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: تو اس قوم کے سردار کی ماں بننے والی ہے۔ فرشتے نے سیدہ آمنہ سے کہا جب بچہ پیدا ہو تو بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کرنا۔

’’میں اسے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں ہر حاسد کے شر سے‘‘ پھر اس بچے کا نام محمد رکھنا۔

سوموار کی رات کو سحری کے وقت دردزہ شروع ہوا۔ آپ اپنے گھر میں اکیلی تھیں۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ صرف ایک لونڈی تھیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ عثمان بن ابی العاص ثقفی کی والدہ ماجدہ بھی حاضر تھیں۔ (۳) سیدہ آمنہ نے خوف کی سی کیفیت محسوس کی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد انہوں نے محسوس کیا کہ ایک نور دنیا پر چھا رہا ہے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ بہت ساری عورتیں ان کے آس پاس حلقہ بنائے کھڑی ہیں اور ان کو مبارک باد دے رہی ہیں۔ شاید یہ ہاشمی خاندان کی بہو بیٹیاں ہیں۔ انہیں کیسے خبر ہوگئی۔ میں نے تو کسی کو بتایا ہی نہیں۔

(۱) زرقان: ۱/۱۳۰۔ نوری: ۶۸/۱۶۔ عیوان الاثر: ۱/۲۶

(۲) سیرت ۱/۱۶۷ اں دیون الاثر: ۱/۲۶

(۳) فاطمہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ الاستیعاب نمبر حدیث ۴۰۵۹۔

سیدہ آمنہ بے حد حیران تھی۔ لیکن نہیں۔ یہ ہاشمی خاندان کی عورتیں نہیں۔ میں انہیں غلطی سے ہاشمی سمجھ رہی تھی۔ یہ کہیں خواب کی بات تو نہیں۔ حضرت آمنہ اسی کش مکش میں تھیں کہ انہیں الہام ہوا۔ ’’ان میں عمران کی بیٹی مریم (والدۂ عیسیٰ علیہ السلام) فرعون کی بیوی آسیہ اور اسماعیل علیہ السلام کی والدۂ ماجدہ ہاجرہ بی بی ہیں‘‘۔

خوف و ہراس جو ایک گھڑی پہلے محسوس ہوا تھا جاتا رہا۔ تھوڑی دیر میں فجر کی روشنی پھوٹی۔ اور سیدہ آمنہ دوسری عورتوں کی طرح ماں بن گئی۔

عثمان بن ابی العاص کی والدۂ ماجدہ کا بیان ہے ’’گھر میں جس طرف دیکھتی نور ہی نور نظر آتا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ ستارے میرے قریب آ رہے ہیں حتی کہ مجھے یوں لگا کہ یہ ستارے مجھ پر گر جائیں گے‘‘ (۱)

رات کے وقت نورانی خوابوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ مگر اب سیدہ آمنہ اکیلی نہیں تھیں۔ ان کا نور نظر بھی ان کے پہلو میں تھا۔ اور اس کے اردگرد کی دنیا کو نور ضیاء اور انس و جمال سے بہرہ ور کر رہا تھا۔ وہ اپنے اس سعادتوں والے بیٹے کے نورانی چہرے کو جی بھر کر دیکھتی اور اپنے محبوب کی یاد کو جو نور کا یہ تحفہ دینے کے بعد ہمیشہ کیلئے جدا ہوگیا تھا یاد کرتی تھیں۔

صبح کا سپیدہ نمودار ہوا۔ سب سے پہلا کام جو سیدہ آمنہ نے کیا یہ تھا کہ عبدالمطلب کی طرف آدمی بھیجا اور اسے پوتے کی خوشخبری دی۔ وہ دوڑے چلے آئے اور بچے پر فرط محبت سے جھک گئے۔ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ حسرت و یاس، دکھ و درد ختم ہوئے۔ آمنہ نے جو دیکھا اور وضع حمل کے وقت جو باتیں سنی تھیں سب کہہ سنائیں۔ عبدالمطلب نے اپنے پوتے کے بارے غیب کی ان خبروں کو گوش ہوش سے سنا اور انہیں یاد رکھا۔ پھر اپنے پوتے کو اٹھا کر، سو جان سے قربان ہوتے، بازوں پر جھولا جھلاتے بڑی نرمی اور رقت سے کعبہ شریف گئے۔ دعا کی اور رب کا شکر بجا لائے کہ اللہ نے عبداللہ کو بیٹا عطا کیا ہے۔ عبداللہ اب دنیا میں نہیں تھے۔ لیکن ان کے گھر میں چراغ روشن تھا عزیز رشتہ دار

(۱) ابن عبدالبر نے سیدہ آمنہ کے تذکرہ میں اسے بالاستیعاب نقل کیا ہے۔ اس طرح اسے ابن سیدالناس نے عیون الاثر میں ابن السکن کے طریق سے روایت کیا ہے۔

سب خوش تھے۔ عبدالمطلب جب کعبہ شریف میں دعائیں کر رہے تھے اور شکر بجالا رہے تھے ان کے بیٹے خشوع وخضوع سے جھکے بڑے خوش خوش باپ کے ساتھ تھے۔ حضرت عبدالمطلب کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے اور یہ حمدیہ اشعار پڑھ کر اپنے پوتے کو اللہ کی پناہ میں دے رہے تھے۔ (۱)

الحمد لله الذی اعطانی هذا الغلام الطیب الاردانی

قدساد فی المهد علی الغلمان اعیذه بالبیت ذی الارکان

حتی اراه بالغا البنیان اعیذه من شر ذی شنآن

من حاسد مضطرب العنان

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ پاکیزہ اور خوبرو بیٹا عطا کیا ہے۔ جو پنگھوڑے میں بچوں کا سردار ہے۔ میں اسے ستونوں والے گھر کی پناہ میں دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ میں اسے جوان گبھرو دیکھوں۔ میں اسے ہر دشمن کے شر سے حسد کرنے والے کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

اس کے بعد عبدالمطلب نے بچے کو سیدہ آمنہ کی گود میں واپس رکھ دیا۔ اور واپس آ کر ایک بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کرنے لگے۔ اونٹ ذبح ہوئے۔ نہ صرف حرم کے باسیوں نے ضیافت اڑائی بلکہ چرند اور پرند بھی سیر ہوئے۔

جب رسول امین ﷺ کی پیدائش ہوئی تو مکہ میں اصحاب فیل کے مقابلے میں نصرت وفتح پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں اور محفلوں کا انتظام ہو رہا تھا۔ قوم میلاد مصطفیٰ میں ایک اور نشانی دیکھ رہی تھی جس نے قربانی کے لیے اس کے باپ کے اختیار اور پھر سو اونٹوں کے فدیے کی یاد تازہ کر دی تھی۔

ہاشمی خاندان کے تمام مرد وزن بے حد خوش تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب جس کی کنیت

(۱) طبقات کبریٰ از ابن سعد۔ واقدی سے روایت کیے گئے ہیں۔ نویری: ۱۶/۷۱۔ الروض الانف از سہیلی: ۱/۱۸۴۔

ابولہب تھی کی لونڈی ''ثوبیہ اسلمیہ'' نے اسے بھتیجے کی خوشخبری دی تو اس نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اگر پردے ہٹ جاتے اور کل کیا ہونا ہے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا تو وہ ایک عجیب منظر پاتا۔ وہ دیکھتا کہ چالیس سال بعد اس کا یہ بھتیجا کفار مکہ سے اسلام کی سربلندی کے لیے برسر پیکار ہے اور ابولہب خود بھی اس کا مخالف ہے۔ اور اس کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے رب قدوس نے یہ سورت پاک نازل کی۔ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ ۝

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ تباہ و برباد ہو۔ اس کے مال اور کمائی نے اسے کچھ فائدہ نہ دیا۔ وہ بھڑکتی آگ میں جلے گا۔ اب دھنتا ہے لپٹ مارتی آگ میں وہ اور اس کی بیوی لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھاتی۔ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسہ کہا جاتا ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے اپنے بھائی ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس سے اس کی حالت کے بارے پوچھا۔ ابولہب کا جواب تھا۔ میں دوزخی ہوں۔ مگر ہر سوار کی رات کو میرے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے اور میں اپنی ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوستا ہوں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ثوبیہ نے مجھے نبی پاک کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی تو میں نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔

زیادہ دور کی بات نہیں۔ چالیس سال کے بعد تاریخ کا ایک ایسا موڑ آئے گا کہ اس ابدی خوشیوں والی رات کا دوبارہ تذکرہ ہوگا۔ اور عرب بلکہ انسانیت کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ پورا جزیرۂ عرب مولود مسعود کی ولادت کی اخبار و مرویات سے بھر جائے گا۔ اور پھر یہ واقعات، یہ معجزات نسل در نسل منتقل ہوں گے۔ اور محبت کرنے والے نئے طریقوں سے، عشق وجدان کی زبان سے اور شعراء الہام کے انداز میں ان واقعات پر نئے طریقے سے روشنی ڈالیں گے۔ اور اس رات کی یاد کو تازہ کر دیں گے جس رات سیدہ آمنہ نے سید کائنات کو جنم دیا تھا۔ (۱)

(۱) شمائل ترمذی۔ اس کے علاوہ دیکھیے قاضی عیاض کی الشفاء۔ ابن سید الناس کی عیوان الاثر: ۱/۲۷ نہایت الارب: ج ۱۶۔ زرقانی کی شرح مواہب۔

جب بھی قمری سال اپنا سفر مکمل کرتا ہے اور ربیع الاول کا مبارک مہینہ آتا ہے تو اس مبارک رات کی یاد میں زمانہ اربوں مسلمانوں کے نعروں کی آواز سنتا ہے۔ جگہ جگہ محافل میلاد ہوتی ہیں۔ مزے لے لے کر میلاد کے واقعات بیان کرتے ہیں اور خوارق معجزات کو بڑی وجدانی کیفیت میں شعروں کی زبان میں گایا جاتا ہے۔

''آسمان کی حفاظت کرنے والوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ جنات اور شیطانی قوتوں کو آسمان کی خبریں لینے سے روک دیا گیا۔ جنات کو رجم کر دیا گیا۔ روشن ستارے رسول اللہ ﷺ پر جھک آئے۔ حرم مکہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ستاروں کے نور سے جگمگا اٹھا۔ جب مولود مسعود کی ولادت ہوئی تو ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام میں واقع قیصر کے محلات جگمگا اٹھے۔ بچے نے وادی بطحاء میں واقع اپنے گھر اور منزل کو دیکھا۔ ایوان کسریٰ کے کنگرے گر گئے جنہیں انوشیروان نے تعمیر اور بلند کیا تھا۔ اس کے بڑے بڑے چودہ بلند ترین کنگرے گو گئے۔ اور اس واقعہ کی وہشت اور جلالت کی وجہ سے کسریٰ بادشاہ کا تخت ریزہ ریزہ ہو گیا۔ آتش فارس جس کی پارسی لوگ عبادت کرتے تھے سرد ہو گئی کیونکہ اب بدر منیر نے طلوع فرمایا تھا''

در یتیم کی مبارک پیدائش پر شعراء کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں جو اس دن کی یاد کو تازہ کرتے ہیں جس دن یہ مولود مسعود دنیا میں تشریف لایا تھا۔

بِکَ بشر اللہ السَّماءَ فزینت
وتضوعت مسکابک الغبراء
یوم یتیہ علی الزمان صباحہ
ومساءہ بمحمد وضاء
ذعرت عروس الظالمین فزلزلت
وعلت علی تیجانہم اصداء
والنار خاویۃ الجوانب حولہم
خمدت ذوائبہا وغاض الماء
والآی تتری، والخوارق جمۃ
جبریل رواح بہا غداءً (۱)

(۱) نبویات: امیر الشعراء احمد شوقی

''اللہ تعالیٰ نے آسمان کو تیسری خوشخبری سنائی تو وہ آراستہ ہو گیا اور آپ کی وجہ سے زمین معطر ہو گئی جس دن آپ کی مبارک ولادت ہوئی وہ صبح سارے زمانے پر فخر اور غرور کرتی ہے اور اس دن کی شام محمد ﷺ کے طفیل روشن ہو گئی ہے۔ ظالموں کے تخت دہشت سے لرز اُٹھے اور ان کے تاج زنگ آلود ہو گئے۔ ان کے ارد گرد (مقدس) آگ بجھ گئی۔ اس کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں اور پانی زمین میں غائب ہو گیا ہے۔

پے در پے نشانیوں کا ظہور ہونے لگا اور کئی معجزات صادر ہونے لگے اور جبریل زمین پر صبح و شام آنے جانے لگے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لخت جگر کی ولادت پر منعقدہ محافل کے شور و غل میں لوگ یہ پوچھنا نہیں بھولے کہ ''اے عبدالمطلب پوتے کا نام محمد رکھنے کی وجہ کیا ہے'' یہ نام خاندان میں پہلے تو کسی کا نہیں رکھا گیا۔

وجہ یہ تھی کہ قریشیوں میں یہ نام مروج نہیں تھا۔ سہیلی کہتے ہیں کہ عرب بھر میں صرف تین آدمی حضور ﷺ سے پہلے محمد کے نام سے موسوم کیے گئے۔ محمد بن سفیان بن مجاشع، جو معروف شاعر فرزدق کے دادا تھے۔ محمد بن احیحہ بن الجلاح اور محمد بن حمران بن ربیعہ۔ ان تینوں کے آباء مختلف بادشاہوں کے درباروں میں گئے اور وہاں اہل کتاب سے آنے والے نبی کے بارے باتیں سنیں جن کی بعثت کا زمانہ قریب تھا جنہوں نے حجاز مقدس میں مبعوث ہونا تھا۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ مدعو محمد ﷺ ان کا بیٹا ہو اور وہ اس سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ اسی لیے جب انہوں نے محمد عربی ﷺ کا ذکر خیر سنا تو نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹا عطا کیا تو اس کا نام محمد رکھیں گے۔ (۱)

بغدادی قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں۔

عرب و عجم میں مشیت ایزدی نے گوارا نہ کیا کہ کسی کا نام محمد ہو۔ حتیٰ کہ آپ کے وجود اور آپ کی پیدائش سے پہلے یہ بات مشہور ہو گئی کہ ایک نبی مبعوث ہو گا جن کا اسم گرامی محمد ہو گا۔ اور یہ کہ ان کی ولادت کا وقت بہت قریب آ گیا ہے۔ اسی وجہ سے میلاد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے عرب کے کچھ لوگوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد تجویز کیے۔ (۲)

(۱) الروض الانف: ۱/۱۸۲ (۲) النویری: ۱۶/۷۶۔ عیوان الاثر: ۱/۳۱۔

ابو جعفر محمد بن حبیب (۱) کہتے ہیں کہ صرف اور صرف چھ آدمیوں کے نام محمد رکھے گئے۔ محمد بن سفیان ابن مجاشع جو کہ معروف شاعر فرزدق کے دادا تھے محمد بن احیحہ بن الجلاح الاوسی۔ محمد بن حمران جعفی۔

محمد بن مسلمہ انصاری۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے بعد اور بعثت سے پہلے پیدا ہوا۔ محمد بن براء بکری اور محمد بن خزاعی سلمی۔ یہ چھ آدمی ہیں جن کا نام محمد رکھا گیا۔ ساتویں کوئی نہیں جس کا اس دور میں محمد نام رکھا گیا ہو"۔

قریشیوں نے حضرت عبدالمطلب سے پوچھا پوتے کا نام محمد رکھنے کی کیا کوئی خاص وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں میں چاہتا ہوں کہ زمین و آسمان میں ہمیشہ اس کی تعریف ہوتی رہے۔

سہیلی حضرت عبدالمطلب کا ایک خواب نقل کرتے ہیں۔ اسے علی قیروانی نے کتاب البستان میں ذکر کیا ہے۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ چاندی کی ایک زنجیر ہے جو آپ کی "پیٹھ سے نکلتی ہے۔ جس کا ایک سرا آسمان میں ہے اور دوسرا سرا زمین پر۔ پھر وہ زنجیر سمٹ کر ایک درخت کا روپ دھار لیتی ہے جس کا ہر پتہ نورانی ہے۔ اور مشرق ومغرب کے لوگ اس سے چمٹ رہے ہیں۔ انہوں نے اس خواب کا تذکرہ اہل علم سے کیا۔ انہوں نے بتایا کہ تیری نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر مشرق ومغرب کا مقتداء ٹھہرے گا اور زمین و آسمان والے اس کی تعریف وتوصیف کریں گے"

اس خواب کو ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ربیع سالم کلاعی صاحب الاکتفاء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

بوڈلی اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"وجہ جو بھی ہو۔ بچے کا نام محمد ﷺ تجویز ہوا۔ اور اس نئے دین کے بعد جو آمنہ اور عبداللہ کے بیٹے نے متعارف کرایا تھا ہزاروں بلکہ لاکھوں بچوں کا نام محمد تجویز کیا گیا اور یوں یہ نام پوری دنیا پر پھیل گیا۔

---

(۱) خزانۃ الادب: ۲۴/۲۔

شیر خوار

"ہم میں سے ہر ایک عورت پر محمد ﷺ کو پیش کیا گیا لیکن کسی نے بھی آپ کو رضاعت کیلئے اپنی گود میں نہ لیا کیونکہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ یتیم ہیں۔ اور ہم تو بچے کے والد سے انعام کی امید رکھتی تھیں سو ہم کہتی تھیں۔ ایک یتیم بچہ؟ بھلا اس کی والدہ اور دادا ہمیں کیا انعام دے سکیں گے۔

میرے ساتھ آنے والی عورتوں میں کوئی ایک بھی ایسی نہیں تھی جس نے کوئی نہ کوئی بچہ نہ لے لیا ہو سوائے میرے۔ جب ہم لوگ واپسی کا ارادہ کر رہے تھے۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا۔ بخدا میں خالی ہاتھ واپس جانا اچھا نہیں سمجھتی۔ واللہ میں اسی یتیم بچے کی طرف جاؤں گی اور اسی کو خدمت کیلئے لے آؤں گی۔

میرے خاوند نے کہا: کوئی حرج نہیں۔ لے آیئے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے بابرکت بنادے"۔ (حلیمہ سعدیہ)

بچے کی ولادت کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ بشارتوں والے ان کے بیٹے کی ولادت کے ساتھ ان کے ذمہ داری کافی حد تک ختم ہوگئی ہے۔ جس طرح کہ ان کے والد گرامی عبداللہ کی ذمہ داری اختتام پذیر ہوئی جب انہوں نے انہیں اس وقت الوداع کہہ دیا جب بچہ ان کے رحم میں جنین کی حیثیت سے تھا۔ ایک دفعہ پھر سیدہ آمنہ حزن وملال کی تصویر بن گئیں اور اپنے محبوب کی خوبصورت یادوں میں کھو گئیں۔ حتی کہ اسی پریشانی اور جدائی کی تلخیوں میں ان کی صحت بھی بگڑ گئی لیکن انہوں نے فوراً سر جھٹکا اور کہا نہیں میرا کام ختم نہیں ہوا۔ وہ اپنے بیٹے کی دیکھ بھال کرے گی حتی کہ وہ جوان گھبرو ہوگا۔ انہیں ان کے والد کی باتیں سنائے گی پھر انہیں لیکر یثرب جائے گی۔ یہاں وہ دونوں ماں بیٹا اپنے بچھڑے محبوب کی قبر کی زیارت کریں گے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر کو اس وقت تک دودھ پلانا تھا۔ یہاں تک کہ بادیہ نشین عورتیں آتیں اور بچے کو اپنے ساتھ مکہ کی تنگ فضا سے دور لے جاتیں۔

لیکن چند دنوں بعد سیدہ آمنہ کا دودھ خشک ہو گیا۔ بوڈلی اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ یہ حادثہ ان کے خاوند کی موت کی وجہ سے پیش آیا۔ حضرت عبداللہ کی وفات سے سیدہ کی صحت بگڑ گئی اور اسی وجہ سے دودھ خشک ہو گیا۔ اسی لیے سیدہ نے اپنا بیٹا رضاعت کی غرض سے ثوبیہ کے حوالے کیا جو بچے کے چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) کی لونڈی تھی۔ اس سے قبل ثوبیہ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا۔ ان دنوں ثوبیہ کی گود میں ان کا بیٹا مسروح پرورش پا رہا تھا۔

چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ بنی سعد کی عورتیں آئیں تا کہ خاندان قریش کے امراء کے بچوں کو لے جائیں۔ حضور ﷺ کو ان پر پیش کیا گیا لیکن کسی نے اس دریتیم کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ ایک یتیم بچہ کی والدہ اور دادا باوجود اپنی خاندانی وجاہت کے انہیں کیا انعام دے سکتے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی عبدالمطلب کی زندگی میں وفات پا گئے تھے۔ اور وراثت میں کوئی زیادہ مال نہیں چھوڑا تھا۔ بس سیدہ آمنہ کے پاس کل مالیت ایک حبشی لونڈی برکۃ ام ایمن کے علاوہ پانچ اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ تھا۔ (۱)

ڈاکٹر ہیکل کے بقول امیر مکہ کے پوتے کے لیے بس اتنی سی پونجی تھی جو والد سے انہیں وراثت میں ملی تھی۔

سیدہ آمنہ پر یہ بات بری گراں گزری کہ دودھ پلانے والیاں واپس دیہاتوں میں جا رہی ہیں۔ انہوں نے ان کے شرف والے بیٹے کو یتیم سمجھ کر چھوڑ دیا اور قریش کے بچوں کو ان پر ترجیح دی ہے۔ اسی اثنا میں ایک دیہاتی عورت محمد ﷺ کی تلاش میں آئی حالانکہ وہ صبح کے وقت واپس چلی گئی تھی۔ یہ دائی حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ تھی جس کے خاوند کا نام حارث بن عبدالعزی تھا جو قبیلہ بنی ہدازن کی شاخ سعد بن بکری سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے تین بیٹے بیٹیاں تھے جن کو محمد ﷺ کے رضائی بھائی اور رضائی بہنیں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ عبداللہ، انیسہ اور شیما جس نے محمد ﷺ کے ساتھ اپنی ماں کا دودھ پیا۔

---

(۱) ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا اور اسے نوری نے نقل کیا: ۱۶/۶۷۔

حلیمہ اس واقع کو تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں اسے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ رسول اللہ ﷺ کی رضائی ماں ہیں وہ۔ بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اپنے چھوٹے بچے کو جو دودھ پیتا تھا لیکر اپنی بستی سے روانہ ہوئیں بنی سعد بن بکر کی دوسری کئی عورتیں بھی تھیں۔ انہیں دودھ پیتے امیر بچوں کی تلاش تھی۔ وہ بیان کرتی ہیں: قحط سالی تھی۔ اور ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں بچ پایا تھا۔ میں ایک کمزور گدھی پر سوار روانہ ہوئی۔ ہمارے پاس جوان عمر کی ایک اونٹنی بھی تھی لیکن اس کے تھنوں میں دودھ کا قطرہ تک نہیں تھا۔ ساری رات بچہ بھوک سے بلبلاتا اور ہم ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیتے۔ میرا اپنا دودھ اس کے لیے ناکافی تھا۔ اور نہ اونٹنی کا اتنا دودھ تھا کہ بچے کی بھوک کا مداوا ہو سکتا۔ لیکن ایک موہوم سی امید تھی کہ اچھے دن آنے والے ہیں۔ الغرض میں اپنی اس کمزور گدھی پر سوار اونٹنی کی نکیل پکڑے چل پڑی حتی کہ ہم مکہ پہنچے۔ ہم میں سے کوئی عورت نہیں تھی مگر محمد ﷺ کو اس پر پیش کیا گیا لیکن جب اس کو بتایا گیا کہ وہ یتیم ہیں تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ہم بچے کے باپ سے انعام کی امید رکھتی تھیں۔ ہم کہتیں یتیم؟ اس کی ماں اور دادا ہمیں کیا دے سکیں گے؟

گدھی پر سوار

میرے ساتھ کو تمام عورتوں کو رضاعت کے لیے بچے مل گئے۔ صرف میں رہ گئی۔ جب ہم سب واپسی کا ارادہ کر چکے تو میں نے اپنے خاوند سے کہا۔ بخدا میں ناپسند کرتی ہوں کہ اپنی ساتھی عورتوں کے درمیان صرف میں ایک خالی ہاتھ واپس لوٹوں اور کسی بچے کو حاصل نہ کروں۔ بخدا! میں اسی یتیم کی طرف جاؤں گی اور اسے لیکر آؤں گی.....“

میرے خاوند نے کہا: حرج نہیں۔ جاؤ اور بچے کو لے آؤ۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے بابرکت بنا دے۔

میں گئی اور بچے کو اپنی گود لے لیا۔ اگر کوئی اور بچہ مل جاتا تو میں قطعاً اسے نہ لیتی۔ الغرض میں نے جب اسے لیا تو واپس اپنے پڑاؤ میں آ گئی۔ اور اپنی گود میں لے کر بچے کو دودھ پلایا۔ بچے نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ میرا اپنا بیٹا بھی سیر ہوا۔ حالانکہ پہلے بھوک کی وجہ

سے وہ ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں جاگ کر رات کاٹنا پڑتی۔ رات کو دونوں بچے جی بھر کر سوتے رہے۔ اس سے پہلے ہمیں سکون کی نیند نصیب نہیں ہوئی تھی۔ میرے خاوند نے اٹھ کر دیکھا تو اونٹنی کے تھنوں میں دودھ اترا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کا دودھ نکالا۔ خود بھی پیا۔ مجھے بھی پلایا حتیٰ کہ ہم دونوں سیر ہو گئے اور پوری رات آرام سے سوتے رہے۔ یہ ہماری زندگی کی بہترین رات تھی۔

صبح ہوئی تو میرا خاوند کہنے لگا۔ حلیمہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ایک مبارک روح تمہیں نصیب ہوئی ہے۔ میں نے کہا۔ بخدا میں بھی اسی کی امید کرتی ہوں۔

گدھی پر سوار

ہم جب روانہ ہوئے اور میں اپنی گدھی پر بیٹھی اور محمد ﷺ کو اپنی گود لیا تو اس میں بجلی کی سی تیزی آگئی۔ اس نے سب سواریوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ میری سہیلیاں کہنے لگیں۔ اے ذویب کی بیٹی تیرا ناس ہو! ذرا ٹھہرو۔ کیا یہ وہی گدھی نہیں جس پر تو اپنی بستی سے بیٹھ کر آئی تھی؟

میں نے ان سے کہا بخدا یہ ہے تو وہی!

وہ کہنے لگیں بخدا اس کی ضرور کوئی وجہ ہے......

ہم بنی سعد کی بستیوں میں اپنے گھر آگئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس علاقہ سے زیادہ بھی کسی علاقہ میں قحط ہوگا۔ لیکن اب ہماری بکریاں قحط سالی کے باوجود بھوکی نہیں تھیں۔ پیٹ بھر کر واپس آتیں صبح دودھ دوہتے اور خوب سیر ہو کر اپنی بھوک کا مداوا کرتے۔ ہمارے سواء کوئی شخص دودھ کا قطرہ تک نہیں دھوتا تھا۔ اور نہ ہی کسی کھیری میں دودھ ہوتا۔ حتی کہ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے۔

تمہارا ستیاناس ہو بکریاں وہاں لے جایا کرو جہاں بنت ذویب کا چرواہا چراتا ہے!

لیکن اس کے باوجود ان کی بکریاں بھوکی واپس آتیں۔ تھنوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ ہوتا اور ہماری بکریاں سیر ہو کر پلٹتیں اور ہم خوب دودھ نکالتے۔ برکات کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ حتی کہ دو سال مکمل ہو گئے اور میں نے بچے کا دودھ چھڑا دیا۔ (۱)

(۱) سیرت ہشامیہ: ۱/۱۷۱۔ عیون الاثر: ۱/۳۳۔

اس طرح یہ شیر خوار بچہ بنی سعد کے فصیح و بلیغ قبیلہ کے درمیان صحراء کی وسعتوں میں پلا بڑھا اور بولنا سیکھا۔ بوڈلی کے بقول ان صحرا نشینوں سے ہی آپ نے بولنا سیکھا اور انہیں کے درمیان قدم اٹھانا سیکھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ عنقریب یہ بچہ ان صحرا نشینوں سے جنگ آزما ہوگا اور فاتح بن کر ابھرے گا۔ اور پھر یہ صحراء نشین اس کے نام کو چار دانگ عالم میں متعارف کرائیں گے۔

ماں نے وہ ایام کیسے گزارے جب اس کا اکلوتا بیٹا اس سے بہت دور اپنی دوسری ماں حلیمہ کے ساتھ بنی سعد میں صحراء کے اندر قیام پذیر تھا؟ کتب سیرت خاموش ہیں۔ اس بارے کچھ بیان نہیں کرتیں۔ گویا مؤرخ اور راویوں نے بھی وہی سوچا جو سیدہ آمنہ نے سوچا تھا کہ ان کا کردار ختم ہونے کو ہے۔

اور ہمیں کسی مخبر کی ضرورت ہی نہیں جو ہمیں بتائے کہ سیدہ اپنے خاوند عبداللہ کے گھر میں اپنے بیٹے کی واپسی کا شدت سے انتظار کرتی رہیں تا کہ وہ واپس آکر اس کی رونقوں کو بحال کرتا جو حضرت عبداللہ کی رحلت کے بعد سنسان پڑا تھا۔

بیٹے کے جانے کے بعد سیدہ کی جان لیوا تنہائی نے اس کے دل کی گہرائیوں میں سوئے ہوئے غم والم میں ہیجان پیدا کر دیا۔

غم واندوہ کے یہ جھگڑا اس وقت نہیں تھے جب وہ حاملہ تھیں اور نہ اس وقت جب محمد کریم ﷺ ان کے ساتھ تھے۔

لیکن دودھ چھڑانے کا وقت قریب آگیا تھا۔ سیدہ آمنہ سوچتی عنقریب میرا بیٹا واپس آجائے گا۔ اس خیال نے اس کے سب غم غلط کر دیئے۔ وہ انہیں یادوں میں کھوئی رہتیں۔ اور اپنے آپ کو تسلی دیتی کہ چند دنوں کی بات ہے پھر اس کی دنیا نور اور محبت سے بھر جائے گی۔ اور گھر کی رونقیں واپس آجائیں گی۔

حلیمہ سعدیہ نے دیر کر دی۔ وہ سیدہ آمنہ کے لخت جگر کو واپس نہیں لائی۔ شاید اس نے کئی بار ارادہ کیا ہو کہ کوئی قاصد بھیجے جو رضاعت کے دو سال مکمل ہوتے ہی حلیمہ سے کہے کہ بچے کو واپس بھیج دے سیدہ آمنہ اسی کش مکش میں تھیں کہ ایک دن حلیمہ سعدیہ

سیدہ کے عزیز بیٹے کو لیے حاضر خدمت ہوئی جس کا ماں شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ ماں اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی دوڑ پڑی اور اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ یوں وارفتگی کا اظہار کرنے لگی گویا اب اسے اپنے آپ سے جدا نہیں کرے گی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی اور وہ بڑی محبت سے اپنے بیٹے کو اپنے سینے سے لگائے غم والم کی سیاہ راتوں کو قربت ووصال کے روشن دنوں میں تبدیل ہوتا دیکھ رہی تھی۔ دیر تک ماں بیٹا ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ بالآخر سیدہ نے بچے کو گود میں لیا اور آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ کیونکہ بچہ بہت ہی تندرست تھا اور اس میں ایک خاص شادابی اور تنومندی پائی جاتی تھی۔ وہ بڑی حیران تھیں کہ اس چھوٹی عمر میں اتنی وجاہت۔

جب حلیمہ نے دیکھا کہ ماں بچے کی صحت کو دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کر رہی ہے تو وہ مکہ کی آب وہوا کے متعلق گفتگو کرنے لگی۔ کیونکہ ان دنوں مکہ میں شدید گرمی پڑ رہی تھی اور گرم لو کی وجہ سے گویا تنور جل رہے تھے۔ وہ بات کرتی رہی لیکن آمنہ اپنے بچے میں کھوئی اس کی بات توجہ سے نہیں سن رہی تھی۔ آخری حلیمہ نے جسارت کر ہی دی۔ اور اپنی بات کو بیان کرتے ہوئے کہا:

کاش میرا بیٹا آپ میرے پاس رہنے دیں حتی کہ بڑا ہو جائے۔ مجھے اندیشہ ہے مکہ کی دبا اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔(۱)

مہربان ماں نے انکار کر دیا۔ اور حلیمہ پر ایک نظر عتاب ڈالی۔

حلیمہ کے دل میں یہ خیال کیسے آیا کہ ایک مرتبہ پھر آمنہ اپنے لخت جگر نور نظر اور اپنی دنیا کی خوشیوں کو اپنے آپ سے جدا کر دے۔ کیا یہ ممکن ہے۔

لیکن حلیمہ مایوس نہیں۔ وہ واپس نہیں جاتی۔ بلکہ بچے کو ساتھ لے جانے پر زور دیتی ہے اور امومت کے جذبہ محبت وایثار کو ابھارنے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ وہ سیدہ آمنہ سے کہتی ہے۔ تیرے بیٹے کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک مکہ کی اس فضاء سے دور رہے۔ اور دوبارہ میرے ساتھ دیہات کی اسی صحت بخش اور کھلی فضا کو لوٹ جائے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱۷۳/۱۔ عیوان الاثر: ۳۷/۱ بحوالہ ابن اسحاق۔

سیدہ نے ایک بار پھر اپنے بیٹے کو دیکھا۔ واقعی کھلی فضا نے اس کی صحت پر اچھے اثرات چھوڑے ہیں۔ وہ بڑا تنومند ہے۔ اس کی نشوونما بڑے اچھے طریقے سے ہوئی ہے اگر کچھ عرصہ کے لیے یہ پھر اسی کھلی اور صحت بخش فضا میں رہے تو اور زیادہ صحت مند ہو جائے گا محبت اور جذبہ ایثار نے سیدہ آمنہ کو کچھ دن اور صبر کرنے اور جدائی کی تلخیاں سہنے پر مجبور کر دیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں حلیمہ سچ کہہ رہی ہے۔ وہ ماحول اس کے بچے کے لیے بہتر اور نفع اندوز ہے۔

سیدہ نے اپنے بیٹے کو ایک بار پھر خدا حافظ کہا۔ ان کے دل پر غم وشجون کی چھریاں چل رہی تھیں۔

حلیمہ بچے کو واپس بنی سعد کی چراگاہوں میں لے گئی۔ پوری دنیا اسے خوشی ومسرت کی وجہ سے ہنستی دکھائی دیتی تھی۔ کیونکہ وہ اور اس کے قوم کے سب افراد چاہتے تھے کہ بچہ زیادہ سے زیادہ ان کے ہاں قیام فرما ہو اور وہ اس کے وجود مسعود سے بہرہ مند ہوتے رہیں۔(۱)

لیکن چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ حلیمہ خود بخود اس بابرکت بچے کو واپس ان کی ماں کے پاس لے آئی۔ وہ کچھ پریشان سی دکھائی دیتی تھی۔

سیدہ آمنہ اپنے بچے سے مل کر بے حد خوش ہوئی۔ لیکن حیران تھی کہ اتنی جلدی واپسی کی وجہ کیا ہے۔ اس نے پوچھ لیا۔ حلیمہ! کیا وجہ ہے؟ تو تو بڑی چاہتوں سے محمد ﷺ کو لے گئی تھی۔ تو مصر تھی کہ کچھ عرصہ اسے تیرے پاس کھلی فضاء میں رہنا چاہیے۔ یہ واپسی کیوں؟

حلیمہ نے تھوڑی دیر خاموش رہنے اور سوچنے کے بعد جواب دیا۔

اللہ کے فضل سے اب یہ بڑا ہو گیا ہے۔ میری ڈیوٹی ختم ہوئی۔ میں ڈرتی ہوں کچھ ہو نہ جائے۔ میں اسے بخیر وعافیت تمہیں لوٹا رہی ہوں۔

سیدہ آمنہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوئیں اور بولیں۔ حلیمہ! باتیں نہ بناؤ۔ سچ کہو۔ کیا وجہ ہے کیا کوئی انہونی ہوئی ہے۔ سیدہ کے دل سے شک وارتیاب کی خلش نہ گئی۔ اور وہ حلیمہ سے حقیقت پوچھ کر ہی رہیں۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱۷۳/۱

حلیمہ نے بتایا جیسا کہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے۔

بخدا ہماری یہاں سے واپسی کے چند مہینے بعد ایک دن وہ اپنے رضائی بھائی کے ساتھ پچھواڑے میں کھیل رہا تھا کہ اچانک اس کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور ہم دونوں میاں بیوی کو بتایا میرے قریشی بھائی کو دو سفید پوش آدمیوں نے پکڑ کر چت لٹایا ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا پیٹ چاک کیا ہے اور اب وہ اسے سی رہے ہیں۔

میں اور ان کا (رضائی) باپ نکلے۔ ہم نے اسے کھڑا پایا۔ چہرہ زرد تھا۔ میں نے اسے سینے سے لگایا۔ اس کے باپ نے بھی اسے سینے سے لگایا۔ ہم نے پوچھا۔ بیٹا ماجرا کیا ہے؟

بولا: میرے پاس دو آدمی آئے۔ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے مجھے لٹایا۔ پیٹ چاک کیا۔ کوئی چیز نکالی۔ میں نہیں جانتا کیا چیز تھی۔

ہم اسے گھر لائے۔ اس کے باپ نے کہا۔ حلیمہ! مجھے یہ اندیشہ ستا رہا ہے کہ اسے کوئی تکلیف ہو گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ تکلیف ظاہر ہو اسے گھر لے جایئے۔ اور اسے اس کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیجئے۔

ہم اسے اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آئے ہیں۔ بخدا ہم بڑے شرمندہ ہیں اور پریشان بھی کہ ایک بابرکت شخصیت سے جدا ہو رہے ہیں۔ (۱)

سیدہ آمنہ نے بڑے اطمینان سے حلیمہ کی باتیں سنیں اور کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہ کیا۔ جب حلیمہ بات کر چکیں تو پوچھا کیا تجھے خوف ہے کہ شیطان اسے نقصان دے گا؟

حلیمہ نے اثبات میں جواب دیا۔

سیدہ نے فرمایا: بخدا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ شیطان اسے تکلیف نہیں دے سکتا۔ میرا بیٹا بڑی شان کا مالک ہے۔ وہ بہت بڑا انسان بنے گا۔ کیا تجھے اس کے متعلق نہ بتاؤں؟

حلیمہ نے بے چینی سے کہا کیوں نہیں۔

سیدہ آمنہ نے حمل کے دوران جو دیکھا سنا تھا کہہ سنایا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ: بخدا میں نے حمل میں جو آسانی اور ہلکا پن محسوس کیا ایسا کسی اور عورت نے محسوس نہیں کیا ہو

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/۱۷۴، عیوان الاثر: ۱/۳۴، نہایت الارب: ۱۶/۸۴

گا۔ تولد کے وقت ایک حیران کن واقعہ پیش آیا۔ بچے نے ہاتھ زمین پر ٹیک دیے اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر......

اے حلیمہ! میرے بیٹے کو میرے پاس رہنے دے اور سیدھی گھر چلی جا۔

حلیمہ کو اچانک یاد آیا کہ ایسی ہی ایک انہونی ہوئی تھی جسے وہ آج تک بھولی رہی۔ اس نے ہم کلامی کے انداز میں کہا۔ اب میں سمجھی کہ بات کیا ہے۔ یہ واقعہ پہلے میرے لیے عجوبہ تھا۔ پھر سیدہ سے مخاطب ہوئے اور بتایا۔

جب میں پہلی بار دودھ چھڑانے کے بعد اسے لیکر آ رہی تھی تو حبشہ کے چند عیسائیوں نے اسے دیکھا تھا اور مجھ سے اس کے بارے سوالات کیے تھے۔ وہ دیر تک اس کے بارے مجھے کریدتے رہے تھے اور پھر انہوں نے کہا تھا۔

ہم اس بچے کو اپنے ملک اور اپنے شہر لے جائیں گے۔ اس میں اک خاص بات ہے جس سے صرف ہم واقف اور باخبر ہیں۔

میں اُن سے محمد کا ہاتھ چھڑا کر فوراً چل دی تھی اور اس واقعہ نے مجھے پریشان کر دیا تھا کہ میں بچہ آپ کے حوالے کر دوں۔ میں نے ارادہ کر بھی لیا تھا۔ اگر بنی سعد کے گھر آپ کے گھر کی نسبت قریب نہ ہوتے تو میں لے آتی۔ لیکن مکہ دور تھا اس لیے میں اپنی بستی کی طرف بھاگ گئی تھی اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوئی تھی جب تک بنی سعد کی پناہ گاہ میں نہیں پہنچ گئی تھی۔

پھر وہ خاموش ہو گئی۔ جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد کر رہی ہو۔ ذہن پر زور دے کر کوئی پرانا واقعہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو جسے وہ بھول گئی ہو۔ ہاں یاد آیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ میں اپنے بیٹے محمد ﷺ کو جب پہلی مرتبہ مکہ لے آ رہی تھی تو میرے پاس سے چند یہودی گزرے اور میں نے پوچھا تھا۔ کیا تم مجھے میرے اس بچے کے بارے کچھ بتاؤ گے۔ میں نے اس کی بابرکات شخصیت کے بارے ان سے گفتگو کی تھی۔ انہوں نے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا تھا اسے قتل کر دو۔ پھر مجھ سے پوچھا تھا کیا یہ یتیم ہے؟ میں نے اپنے خاوند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

تھا۔ نہیں۔ یہ یتیم نہیں۔ یہ اس کا باپ اور میں اس کی ماں ہوں۔ انہوں نے کہا تھا اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اسے قتل کر دیتے۔ (۱)

مستشریقین نے واقعہ شق صدر کا انکار کیا ہے۔ میرے نزدیک وہ اس سلسلہ میں معذور ہیں۔ لیکن ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے صرف اس واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کیا بلکہ کہا ہے کہ عام مستشرقین اور مسلم مفکربن کا بھی یہی نظریہ ہے۔

میں نہیں جانتی کہ انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ عام مسلم مفکرین اور مستشرقین اس کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔ واقعہ شق صدر کے بارے بہت ہی قلیل مسلم مفکرین نے تردد کا اظہار کیا ہے کہ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔

ڈاکٹر ہیکل اپنے مؤقف کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''تمام مستشرق اور مسلم مفکرین اس واقعہ سے متعلق یہ مؤقف رکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ساری کی ساری ایک بلند انسانیت کی حامل ہے۔ آپ کو اپنی رسالت کے ثبوت کے لیے خوراق اور معجزات کی ضرورت پیش نہیں آئی جس طرح پہلے انبیاء علم السلام کو ضرورت پیش آئی تھی۔ وہ (مسلم و مستشرق مفکرین) اس واقعہ کی صحت کے انکار میں عرب اور مسلم علماء کو دلیل یقین کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی زندگی کے حوالے سے ہر اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں جو خلاف عقل ہو۔ شق صدر کا واقعہ قرآنی تعلیمات سے متفق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرما کر اس میں ایک اصول اور سنت جاری فرما دی ہے اور سنت خداوندی تبدیل نہیں ہوتی۔ یہ واقعہ اس بات کے بھی خلاف ہے کہ قرآن کریم نے مشرکین کو عار دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ بے سمجھ ہیں۔ اور ان کے پاس ایسے دل نہیں جن کے ذریعے وہ حقائق کو سمجھ سکیں''۔ (۲)

محمد حسین ہیکل اور اس قبیل کے دوسرے لوگ جو اس واقعہ کی صحت سے انکار کرتے ہیں اگر دیکھا جائے تو ان کی گفتگو میں کوئی وزن نہیں۔ کیونکہ وہ ایک ایسی چیز کے

(۱) طبقات ابن سعد: ۱/۱۷ پہلی جلد۔ نہایت الارب: ۸۶/۱۶

(۲) حیات محمد: ۷۳

بارے رائے زنی کر رہے ہیں جس میں رائے کو دخل نہیں حدیث کی صحت وضعف کا اعتبار سند اور متن کی قوت وضعف پر ہوتا ہے رائے زنی اس بارے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

رہی یہ بات کہ ڈاکٹر ہیکل نے اس حدیث کی سند پر بھی گفتگو کی ہے تو ہم اس بارے ذرا تفصیل سے بات کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح اس حدیث کی سند مجروح ہے اسی طرح اس کا متن بھی مجروح ہے۔ اس بات پر تو تمام روایات متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پانچ سال کی عمر تک قبیلہ بنی سعد کے ہاں قیام پذیر رہے۔ اگر ہم اس واقعہ کو دیکھیں تو یہ تقریباً تین سال کی عمر سے کچھ کم میں پیش آیا۔ اور دودھ چھڑانے کے چند ماہ بعد حلیمہ آپ کو مکہ شریف واپس لے آئے تو یوں پانچ سال والی روایت اور اس تین سال سے کم والی روایت میں صریح تناقض ہے۔

اس کے علاوہ حدیث میں جس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے وہ خلاف عقل ہے۔ (۱)

اس لیے بھی یہ قابل قبول نہیں۔

میرے خیال میں ڈاکٹر ہیکل کی یہ جرح بلاوجہ اور بے بنیاد ہے۔ انہوں نے کسی محدث اور ناقد کا حوالہ پیش نہیں کیا۔ جبکہ ہیکل اس فن کا آدمی نہیں۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی روایت کیا گیا ہے اور ابن اسحاق نے اسے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مجھ سے ثور بن یزید نے بیان کیا۔ انہوں نے بعض اہل علم سے روایت کیا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے یہ واقعہ خالد بن معدان کلاعی سے روایت کیا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ کرام نے آپ کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں اپنے بارے کچھ بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، اپنے بھائی موسیٰ کی بشارت ہوں۔ میری ماں نے دوران حمل دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس نے ان کے سامنے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ میں نے نبی سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ ایک دن میں اپنے بھائی کے ساتھ گھر کے پچھواڑے میں اپنا ریوڑ چرا رہا تھا کہ دو سفید پوش آدمی آئے ......'' آپ ﷺ نے شق صدر کا واقعہ بیان فرمایا: (۲)

(۱) حیات محمد: ۷۳۔

(۲) سیرت ہشامیہ: ۱/۱۷۵ اسے سہیلی نے ابوذر کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ دیکھیے الروض الانف: ۱/۱۹۲

ہم اس حدیث کو خالد بن معدان کلاعی رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل حدیثوں میں شمار کرتے ہیں تو اور علماء حدیث حافظ اور ثقہ تابعین کی مرسلات کو قبول کرنے کا نظریہ رکھتے ہیں (لہذا یہ حدیث مقبول ہوئی) صحاح ستہ کے آئمہ نے خالد بن معدان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ تابعین میں بہترین فقیہ اور عبادت گزار شمار ہوتے ہیں۔ ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت امام اوزاعی آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور آپ کی رہنمائی کے بارے پوچھا کرتے تھے۔ آپ سے کئی حفاظ حدیث ثور بن یزید، محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی حریز بن عثمان اور حسان بن عطیہ وغیرہم نے حدیث روایت کی ہے۔(۱)

ثور بن یزید کلاعی جن سے ابن اسحاق نے حدیث نقل کی ہے۔ آپ کی کنیت ابو خالد ہے۔ حمص سے تعلق کی وجہ سے حمصی کہلاتے ہیں۔ حفاظ میں شمار کیے جاتے ہیں علماء میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ انہوں نے خالد بن معدان، زہری، مکحول عطاء عکرمہ، ابن جریج، ابی الزناد اور دوسرے کئی محدثین سے حدیث روایت کی ہے۔

اور ان سے دونوں سفیان، عیسیٰ بن یونس، ابن اسحاق ابن المبارک، یحییٰ بن سعید قطان، ولید بن مسلم اور ابو عاصم نبیل وغیرہم جیسے حفاظ اعلام نے حدیث روایت کی ہے۔

ایک جماعت نے قدریہ ہونے کی وجہ سے ان کے بارے گفتگو کی ہے۔ لیکن اس ایک حدیث کے علاوہ انہیں اس میں اور کوئی کمی نظر نہیں آئی۔ یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں میں نے شامیوں میں ثور بن یزید سے زیادہ کوئی اور شخص ثقہ نہیں دیکھا۔ وکیع کے بقول ثور صحیح الحدیث ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں نے کی زیارت کی ہے۔ میں نے جتنے لوگ دیکھے ہیں ثور ان تمام میں زیادہ عبادت گزار تھے امام بخاری اور سنن اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) کے مؤلفین نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔(۲)

پھر ابن اسحاق نے شق صدر کو بیان کرتے ہوئے صرف اسی حدیث پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انہوں نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے حوالے سے حدیث رضاع

(۱) ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۱۱۸/۳-۱۲۰۔

(۲) تہذیب التہذیب: ۳۳/۲، ۳۷، خلاصۃ التذہیب: ۵۰۔

بیان کرنے کے بعد اس کو ذکر کیا ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں ”حلیمہ بنت ابی ذؤیب سعدیہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنی بستی سے نکلیں......“ انہوں نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد شق صدر کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ ڈاکٹر صاحب نے متن حدیث پر بھی تنقید کی ہے کہ دونوں روایتوں میں واضح تناقض ہے کیونکہ اس پر تو تمام کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ پانچ سال کی عمر تک قبیلہ بنی سعد میں رہے لیکن ادھر یہ بھی روایت ہے کہ تین سال سے کم عمر میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد حلیمہ آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ کے پاس لے آئیں“ تو ڈاکٹر ہیکل یہ بات شاید بھول گئے کہ دودھ چھڑانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو حضرت سیدہ آمنہ کے پاس لے آئیں لیکن انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے پاس نہیں رکھا بلکہ دوبارہ حضرت حلیمہ کے ساتھ واپس بھیج دیا۔(۱)

”کیا یہ حدیث خلاف عقل ہے۔ اور کیا اس وجہ سے اسے رد کرنا ضروری ہے“۔

یہ بات صحیح نہیں کہ یہ حدیث محال عقلی ہے۔ بالفرض اگر یہ عقلاً محال ہو بھی تو پھر بھی یہ مردود نہیں کیونکہ یہ واقعہ نبوت کی دلیل ہے۔ اور شہرت رکھتی ہے، علماء حدیث و سیرت اور مورخین نے اسے قبول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) سیرت ہشامیہ: ۱۷۳/۱، عیوان الاثر: ۳۶/۱

چھٹی بحث

مسافر

- ☆ یثرب کی طرف سفر
- ☆ خدا حافظ
- ☆ یتیم کی واپسی

یثرب کی طرف سفر

آمدیم برسر مطلب۔ سیدہ آمنہ اپنے اکلوتے بیٹے کو گود میں لیے بیٹھی ہے۔ کچھ ہی دن ہوئے ہیں کہ عمر کا ایک حصہ صحراء میں گزارنے کے بعد وہ اپنے گھر میں تشریف لائے ہیں ''حلیمہ سعدیہ'' انہیں خود اس مقدس شہر میں واپس لائی ہے جو ان کے آباء واجداد کا اصلی وطن اور ان کی جنم بھومی ہے۔

وہ لوٹے ہیں تو غم واندوہ کے سیاہ بادل چھٹ گئے ہیں جنہوں نے جوانی میں بیوگی اور تنہائی میں ان کی والدہ ماجدہ کی دنیا کو تاریک بنا دیا تھا۔ میں سمجھتی ہوں انہوں نے اپنے بیٹے سے ان مرحوم کے والد کا ذکر کیا ہوگا۔ ان کے شمائل وخصائل بیان کیے ہوں گے، ان کی قربانی کا واقعہ سنایا ہوگا اور ماں نے اپنے بیٹے سے جو بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں بیٹے سے چھپی نہیں رہی ہونگی۔ ماں نے اپنے بیٹے کی دیکھ بھال میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کی امیدوں کا مرکز اور خوشیوں کا واحد ذریعہ سیرت نگار معترف ہیں کہ نبی اسلام کی عمر کے اس مرحلہ میں جو اہم اثرات مرتب ہوئے وہ بہت دوررس تھے۔ معروف سیرت نگار ابن اسحاق کہتا ہے۔

''رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حفظ و اماں تھے میں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خوب پروان چڑھایا۔''(۱)

یہ دیکھ بھال بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ محمد ﷺ بہت تیزی سے پلے بڑھے۔ جب آپ کی عمر مبارک صرف چھ سال کی تھی تو ماں نے ایک عظیم انسان کی خصوصیات آپ

---

(۱) سیرت: ۱/۱۷۷، عیون الاثر: ۱/۳۷

میں ملاحظہ کیں یہ انسان حضرت سیدہ کا آئیڈیل تھا اور خوابوں میں ایسے ہی بیٹے کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ایسے میں آپ نے محسوس کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے اور اس کی امیدیں بر آئیں جن کا مدتوں سے وہ انتظار کر رہی تھی۔ سیدہ نے اپنے بیٹے سے بات کی کہ وہ دونوں ماں بیٹا۔ یثرب کو جائیں گے جہاں وہ اپنے حبیب کی قبر کی زیارت کریں گے جو انہیں داغ مفارقت دے کر یثرب میں محو استراحت ہے۔

سفر کے بارے سن کر بچہ پریشان ہو گیا لیکن اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ اس کی ماں اس کے ساتھ ہو گی اور وہ اپنے والد کی قبر انور کی زیارت کرے گا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے والد کے ماموؤں سے بھی متعارف ہو گا جو یثرب میں مقیم تھے۔(۱) وہاں انہیں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا شاید اس نے اپنی ماں سے کئی بار سنا ہو گا کہ ابی وہب بن عمرو ان کے دادا عبدالمطلب کے خالو نے قریش سے کہا تھا تعمیر کعبہ میں صرف حلال مال لگایا جائے گا، ظلم و زیادتی سے حاصل کیا ہوا مال، سود سے حاصل شدہ رقم تعمیر کعبہ میں صرف نہیں ہو گی۔

شاید اسی طرح انہوں نے اپنی ماں سے ان کے خالو ابی وہب کے بارے ایک شاعر کے یہ اشعار بھی سنے ہوں گے۔(۲)

ولو بأبی وهب انخت مطیتی	غرت من نداه ، رحلها غیر خائب
بابیض من فرعی لؤی بن غالب	اذا حصلت انسابها فی الذوائب
ابی لاخذ الضیم، یرتاح للندی	توسط جداه فروع الاطایب

''اگر وہب کے پاس میں اپنی اونٹنی بٹھاؤں گا تو اگلے دن سفر کے لیے میری سواری کی خرجیاں خالی نہیں رہیں گی۔

جب شرافت نسب کا حساب کیا جائے گا تو لوی بن غالب کی دونوں شاخوں میں وہ سب سے زیادہ شریف ثابت ہوں گے۔

(۱) عبدالمطلب بن ہاشم کی ماں رسول اللہ ﷺ کی دادی صاحبہ سلمٰی بنت عمر بن زید نجاریہ۔ یہ لوگ رسول اللہ کے ننھال ہیں۔ دیکھیے سیرت ۱/۱۷۷۔ نسب قریش: ۱۵، جمہرۃ الانساب: ۱۲۔

(۲) سیرت ابن اسحاق میں یہ اشعار عبداللہ بن ابی نجیح سے روایت کیے گئے ہیں: ۱/۲۰۶۔

وہ بدلہ لینے سے نفرت کرنے والا اور سخاوت سے راحت حاصل کرنے والا ہے۔

ان کے دونوں دادا (یعنی نانا اور دادا) تمام شاخوں سے محاسن میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔''

گرمی کا موسم تھا۔ سورج مکہ کی پتھریلی زمین پر آگ برسا رہا تھا اور ریت کو پگلا رہا تھا اور ادھر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا ایک طویل اور کٹھن سفر کے لیے تیاری کر رہی تھی۔ اس نے دو سو میل کا سفر طے کر کے یثرب پہنچنا تھا جہاں کی مٹی میں عبداللہ رضی اللہ عنہ محو استراحت تھے جن کو ان سے جدا ہوئے سات سال کا عرصہ ہونے کو تھا۔ وہ پتھریلی زمین کے اس لق و دق صحراء میں سفر کرنے کی مشقتوں سے ناواقف نہیں تھی اور نہ وہ خوفناک ویرانے اور ڈرا دینے والے ٹیلے اس کی نظروں سے اوجھل تھے جن کا اس صحراء میں سفر کرنے والوں کو سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن یثرب کو دیکھنے کے شوق فراواں کے سامنے سفر کی یہ صعوبتیں جو عذاب سے کم نہیں تھیں ہیچ تھیں۔

کچھ دن تیاری میں لگ گئے۔ پھر سیدہ نے اونٹنی پر کجاوہ رکھا اور اس کو آپس میں بندھی ہوئی لمبی لمبی ٹہنیوں سے ڈھانپ دیا تا کہ اپنے عزیز از جان بیٹے کو سورج کی تپش سے بچا سکتے۔

اب انتظار تھا کہ جونہی کوئی قافلہ موسم گرما گزارنے کی غرض سے مکہ سے شمال کی طرف سفر کرے تو یہ بھی روانہ ہو۔ آخر ایک دن کوچ کی گھنٹی بجی۔ آمنہ نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا۔ سواری پر سوار ہوئی، اپنی وفادار لونڈی برکتہ ام ایمن کو ساتھ لیا اور چل دی۔

سیدہ آمنہ نے اپنی شادی والے گھر پر ایک اچٹتی نظر ڈالی جس میں وہ چند دن اپنے خاوند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہی تھی۔ اور ان کے وصال کے بعد اپنے اکلوتے بیٹے کو جہاں جنم دیا تھا۔ اس کے بعد حرم پاک میں حاضری دی طواف کیا دعا کی اور اس طرف شمال کی طرف روانہ ہو گئی جہاں قافلہ چلنے کو تیار کھڑا تھا۔ اونٹ بلبلا رہے تھے اور ان کی آوازیں مسافروں کے شور و غوغا اور حرم پاک کو الوداع کہنے والوں کی دعاؤں کی آوازوں میں مل رہی تھیں۔

قافلہ آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ یوں لگتا تھا اس عظیم پناہ گاہ اور مقدس شہر کو چھوڑنا ان پر بھاری ہو رہا تھا۔ حتی کہ مکہ شریف کی آبادی اُن بلند و بالا پہاڑوں کے پیچھے چھپ

گئی جنہوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اور قافلہ شمال کے راستے کی طرف تیز تیز قدموں سے روانہ ہو گیا تاکہ وہ فوراً شام کے بازاروں میں پہنچیں اور پھر اپنی پناہ گاہ اپنے گھر والے اور دوستوں کی طرف واپس لوٹیں۔

حدی خوانی ہونے لگی۔ درد بھرے نالے سنائی دینے لگے۔ پیچھے رہ جانے والوں کو الوداع کیا جا رہا تھا۔ اور اونٹوں سے آرام، سایے اور گھاس کا وعدہ کیا جا رہا تھا۔ حدی خوانی سے اونٹوں کے پاؤں تیزی سے حرکت کرنے لگے اور انہوں نے اپنے سواروں کو اس منزل پر پہنچا دیا جس کی وہ تمنا کر رہے تھے۔ حدی خوانوں کے محبت بھرے نغموں کی صدائے بازگشت صحراء کے اطراف میں پھیل گئی۔ مسافروں کے دل حسین یادوں کی چبھن اور غم فراق کی وجہ سے دقیق ہو گئے۔ سیدہ آمنہ اپنے بچے پر جھکی بڑی محبت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنوں سے ملاقات کے خوبصورت خیالوں میں کھو گئی۔

صحراء میں مکمل خاموشی تھی۔ کبھی کسی اونٹ کے بلبلانے سے زندگی کا احساس ہوتا۔ راحت بخش خاموشی کی وجہ سے سیدہ آمنہ کے خوابوں کا سلسلہ دراز ہو گیا اور زیادہ تر مسافت بڑے آرام سے کٹ گئی۔ حدی خوانی میں وہ خاموشی سے ایک آواز کو سنتی رہی جس میں درد کی کسک تھی اور بہت دور سے آ رہی تھی۔ سیدہ نے نظر شمالی افق پر جما دی جہاں سے اسے یثرب ایک ایسے سبز درخت کی طرح نظر آ رہا تھا۔ جس کے گھنے سائے اس کے خاوند پیارے مرقد کو سایہ مہیا کر رہے تھے۔ اور جس کی پاک مٹی ایک عظیم شخصیت کو اپنی گود میں لیے ہوئی تھی۔

جب رات کی تاریکی چھا گئی۔ حودی خوان خاموش ہو گئے، سب قافلہ والے سو گئے اور کائنات پر سکون ہو گئی تو سیدہ آمنہ نے اپنے اکلوتے کو سینے سے لگا لیا اور اپنے آپ کو ان خوابوں کے حوالے کر دیا جو اسے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس کی طرف لے گئے جہاں ان کی روح دور کے اس نامعلوم ٹھکانے پر اپنی محبوب اور وفادار بیوی کو سلام کرنے اور اپنے پیارے سے معصوم بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنے آئی۔

قافلہ اپنی منزل کے قریب پہنچ گیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو مجتمع کیا اور اپنے بیٹے سے اس کے والد کے متعلق پھر سے باتیں کرنے لگی۔ دیکھو بیٹا اس پہاڑ

کے پیچھے وہ خوبصورت شہر دکھائی دینے والا ہے جہاں وسیع وعریض کھیت ہیں۔ ٹیلوں کا نام و نشان نہیں سرسبز و شاداب گھاس عجیب منظر پیش کر رہی ہوگی۔ بلند کھجوروں کے گھنے سایے زمین پر جھکے گھاس کی کشش میں اضافہ کر رہے ہوں گے۔

سواروں نے یثرب کی سرزمین پر اونٹ بٹھا دیے۔ جہاں آسانیاں اور راحتیں ہیں۔ کھجوروں کے باغات اور میٹھے پانی کے چشمے ہیں۔ قافلہ سیدہ آمنہ، ان کے بیٹے اور ان کی لونڈی کو بنی نجار کے محلے میں چھوڑنے کے بعد پھر سے شمال کی طرف آمادۂ سفر ہوا کیونکہ انہیں بہت آگے جانا تھا۔

میکے والوں نے بازو وا کیے سیدہ آمنہ اور ان کے بیٹے کو خوش آمدید کہا اور سب اکٹھے ہو کر ان کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ وہ بہت خوش تھے کہ ان کی بیٹی آئی تھی اور عبداللہ مرحوم کا سعادتوں والا بیٹا تشریف لایا تھا۔ ماں بیٹا کچھ وقت تک بیٹھے ان سے باتیں کرتے رہے آخر سیدہ نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور اس جگہ کا طواف کرنے لگیں جہاں اس کے ابو کا انتقال ہوا تھا اور اس قبر کا حج کرنے لگی جہاں اس کا جسد خاکی رکھا گیا تھا۔ پھر سیدہ نے اپنے بیٹے کو کہا بیٹا دوسرے بچوں کے ساتھ تم بھی جاؤ۔ کھیلو کودو۔ یثرب کے در و دیوار دیکھو۔ بچے دوڑ پڑے۔ اٹھکیلیاں کرتے۔ ہنستے مسکراتے وہ دور نکل گئے جہاں وہ روزانہ کھیلنے اور بیت بازی کے لیے جایا کرتے تھے۔ محمد ﷺ بھی ان کے ساتھ کھیل رہے تھے اور تالابوں میں تیراکی سیکھ رہے تھے۔ جبکہ سیدہ اپنے محبوب کی قبر پر بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی اور جدائی پر آنسو بہا رہی تھی۔ وہ دونوں حالتوں پر راضی اور خوش تھی۔ غم میں بھی ایک لذت پنہاں ہے۔ وہ اپنے مرحوم شوہر کے قرب کی وجہ سے ایک انسیت محسوس کر رہی تھی جس سے اس کا غم کم ہو رہا تھا۔

ایک ماہ گزر گیا۔ ماں بیٹا یہاں بہت خوش تھے۔ سیدہ اپنے غم درون کو بھلانے میں کسی حد تک کامیاب رہی تھی۔ آنکھوں نے خوب آنسو بہا کر اس کی مدد کی تھی۔ بچہ اس خوشگوار فضا سے متمتع ہوا اور اپنے ننھیال کے بچوں کی رفاقت سے بہت خوش بھی۔

کوئی نہیں جانتا کہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی آخری رات کس کرب میں گزری۔ غالب گمان یہی ہے کہ وہ گئی ہوگی۔ اپنے محبوب شوہر سے گفتگو کی ہوگی اور کہا ہوگا کہ پھر

بچھڑنے کی گھڑی آگئی ہے۔ حتی کہ جب روانگی کا لمحہ آیا ہوگا تو اس، اس فضاء سے اپنے آپ کو بمشکل الگ کیا ہوگا جس میں عبداللہ کی حسین یادیں رچی بسی تھیں۔ پھر اپنے مہربان میزبانوں کا شکریہ ادا کیا ہوگا جنہوں نے سیدہ اور اس کے بیٹے کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا اور انہیں خوش دلی سے خوش آمدید کہا تھا بہرحال سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے اور لونڈی کو ساتھ لیے روانہ ہوئی۔ اور آخری بار اپنے محبوب شوہر کی قبر کی زیارت کی۔ یہ لمحہ بڑا صبر آزما تھا۔ لوگ الوداع کہنے شہر سے باہر آئے تھے۔ سیدہ بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو رکھے تھی جب وہ واپس ہوئے تو اپنے آپ کو غم واندوہ کے حوالے کر دیا۔ اونٹنی تینوں مسافروں کو لیے مکہ کی طرف بغیر کسی حدی خواں کے رواں دواں تھیں۔

الوداع

قافلہ دونوں شہروں مکہ اور یثرب کے درمیان میں تھا کہ تند و تیز ہوا چلی جس کی گرمی سے مسافروں کے چہرے جھلس گئے۔ ریت شراروں کی مانند اڑنے لگی۔ اس لیے انہیں کچھ دن کے لیے رکنا پڑا۔ جب آندھی تھم گئی گرمی کی شدت بھی کچھ کم ہوئی تو قافلہ مکہ کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کی طبیعت ناساز ہے۔ شاید یہ جدائی کے اس نئے داغ کا اثر تھا جو یثرب کی سرزمین سے سفر کرتے وقت تحفے میں ملا تھا۔

محمد ﷺ سمجھے کہ شاید سفر کی تھکان کی وجہ سے طبیعت ناساز ہے آندھی سخت تھی گرم لو کے جھکڑ سے ایسا تو ہونا تھا۔ بس ایک دو دن میں تندرستی عود کر آئے گی لیکن سیدہ آمنہ کو احساس ہو گیا تھا کہ اجل قریب ہے اور ملاقات کی گھڑی آگئی ہے۔ اس لیے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگ گئی۔ محمد کریم اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ماں کے آنسو پونچھ رہے تھے اور محبت فراواں کی لذت محسوس کر رہے تھے جسے ٹھہر جانے کے خوف نے چھپا رکھا تھا۔

اچانک سیدہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ بیٹے نے ماں کی طرف نظر کی تو اسے محسوس ہوا کہ آنکھوں کی روشنی بجھ رہی ہے۔ اور آہستہ آہستہ آواز پست ہوتی جا رہی ہے حتی کہ سانس اکھڑ گئی اور سیدہ نے بڑی مشکل سے اپنے بیٹے سے اتنی گفتگو کی:

بَارَکَ فِیْکَ اللّٰہُ مِنْ غُلَامٖ
یَا ابْنَ الَّذِیْ مِنْ حَوْمَۃِ الْحِمَامٖ
نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْعَلَّامٖ
فُوْدِیَ غَدَاۃَ الضَّرْبِ بِالسِّھَامٖ
بِمِائَۃٍ مِّنْ اِبِلٍ سَوَامٖ

''اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکتیں پیدا کرے۔ اے اس شخص کے بیٹے جو موت کے اچانک حملے سے مالک اور سب کچھ جاننے والی ذات کی مدد سے نجات پا گیا۔ تیر پھینکے جانے کی صبح کو ایک سو چرنے والے اونٹوں سے جس کا فدیہ ادا کیا گیا۔ (۱)

پھر ایک لمحہ کیلئے خاموش ہو گئیں پھر ایک نحیف آواز میں جو سرگوشی سے مشابہ تھی کہنے لگیں۔

ہر ذی روح نے مرنا ہے۔ ہر نئی چیز نے بوسیدہ ہونا ہے۔ ہر بڑے نے فنا کی گھاٹ اترنا ہے۔ میں جا رہی ہوں لیکن میری یادیں باقی رہیں گی۔ میں تمہیں خیر کی حالت میں چھوڑ رہی ہوں اور طہارت کی حالت میں تمہیں جنا تھا۔

پھر ان کی آواز عدم کے پردوں میں کھو گئی اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

کائنات پر ایک خوفناک سکوت چھا گیا جسے ایک لمحے بعد روتے بچے کی چیخوں نے توڑ ڈالا جو اپنی ماں کے بے حس و حرکت جسم پر چھایا صحراء میں اسے آوازیں دے رہا تھا مگر وہ اسے جواب دینے سے قاصر تھی۔

بچہ ام ایمن کی طرف مڑا اور اس اچانک بجھنے والی زندگی کے راز کے بارے سوال کیا۔ میری ماں مجھ سے کیوں روٹھ گئی یہ جسم بے حس و حرکت اچانک کیسے ہو گیا یہ بولتی کیوں نہیں۔ جواب کیوں نہیں دیتی۔ ام ایمن کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے بچے کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور صرف اتنا کہہ سکی۔

---

(۱) الروض الانف از سہیلی۔ الحاوی للفتاویٰ سیوطی: ۲۲۲/۲

یہاں تیر سے مراد فال کے تیر ہیں جو حضرت عبداللہ کے بجائے سو اونٹوں پر پڑے تھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بدلے سو اونٹ قربان ہوئے تھے۔

بیٹے! تیری ماں اللہ کو پیاری ہوگئی ہے اسے موت نے آلیا ہے۔

موت؟

ہاں موت!

یہی وہ موت ہے جس نے تمہاری ماں سے پہلے تمہارے والد کو تم سے جدا کیا۔ اسی کے ہاتھوں تیری والدہ کو بیوگی کا کڑوا پیالہ پینا پڑا۔ اور اسی کی وجہ سے انہوں نے زندگی کی راحتوں کو نہ دیکھا اور سات سال کی طویل مدت میں بھی ان کے دل کے زخم مندمل نہ ہوئے۔

موت عزیز از جان لوگوں کو مٹی کے پیٹ میں سلا دیتی ہے اور پھر وہاں سے نہ کوئی واپس آتا ہے اور نہ ملاقات ہوتی ہے۔ اجل ہی ہے جو مسافر کو وہاں لے جاتی ہے جہاں سے واپسی کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور کوئی پلٹ کر نہیں آتا۔

اس یتیم اور معصوم بچے نے بڑی حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ کائنات پر وحشت طاری تھی۔ گویا ہر طرف موت کی عملداری ہے اور اس کی وجہ سے ہر چیز سہمی سہمی خوفزدہ سی ہے۔

بچے کی اشک بار آنکھیں آسمان کی طرف اٹھتی ہیں۔ اچانک وہ کیا دیکھتا ہے کہ آسمان بھی مہر بلب ہے اور غم واندوہ کی وجہ سے اس کا چہرہ بھی زردی مائل ہے۔

بچہ دور افق کی طرف نگاہ دوڑاتا ہے۔ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ بادل کے بکھرے ہوئے ٹکڑے آسمان میں آوارہ گردوں کی طرح پھر رہے ہیں اور غم والم کی وجہ سے ان پر بھی نقاہت کی کیفیت طاری ہے۔

بچہ ماں کی طرف دیکھتا ہے۔ اور اس کے قریب چپ چاپ بیٹھ جاتا ہے۔ وہ بار بار اپنی ماں کا چہرہ دیکھتا ہے۔ پھر کسی آنے والے کی پاؤں کی آہٹ پا کر مڑ کر دیکھتا ہے لیکن اس صحراء میں کوئی نہیں۔ عاجزی و درماندگی کا احساس اسے بری طرح ڈسے جا رہا ہے۔

ایسے میں برکہ ام ایمن ہمت سے کام لیتی ہے۔ کملائے ہوئے چہرے کو ڈھانپ دیتی ہے اور بجھی آنکھوں کو بند کر دیتی ہے۔

بچہ ام ایمن کے پیچھے سر جھکائے چلا جا رہا ہے۔ وہ اس کی مرحومہ ماں کا جسد خاکی اٹھائے نزدیک کی ابواء نامی بستی کی طرف جا رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ کچھ عورتیں اس کا ہاتھ بٹائیں گی۔ تو تجہیز و تکفین آسان ہو جائے گی۔ حتی کہ وہ وقت بھی آیا کہ سیدہ کے

جسد خاکی کو لحد میں اتارا گیا اور قریب تھا کہ یہ چہرہ ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا بچہ دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گیا۔ گویا وہ چاہتا ہو کہ اپنی ماں کو اپنے ساتھ لے جائے یا پھر ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ ابدی نیند سو جائے۔

اس منظر کو دیکھ کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ایک لمحہ کے لیے کسی نے کچھ نہ کہا۔ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے لگا بلبلاتا رہا۔ لیکن آخر کب تک۔ پھر انہوں نے بڑی نرمی سے بچے کو ماں سے الگ کیا اور اسے اسے لحد کے سپرد کر کے ڈھیروں مٹی ڈال دی۔

یتیم کی واپسی

مکہ کے در و دیوار فرط غم کی وجہ سے مہر بلب تھے۔ وہ ایک ایسے بچہ کو دیکھ رہے تھے جو صرف ایک ماہ یا اس سے بھی کم عرصہ اپنی ماں کے ساتھ خوشی خوشی رہنے کے بعد اچانک اپنی ماں سے بچھڑ گیا تھا اور آج اکیلا واپس آیا تھا اس کا باپ اس کی پیدائش سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔ آج اس کی ماں بھی اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں چلی گئی تھی۔ وہ بے حد غمگین تھا اس نے اپنی عزیز ترین ہستی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھا تھا۔ لیکن جس طرح عبداللہ کی یادوں کے سہارے اس نے سب غم سہہ لیے تھے بچے نے بھی اپنے سینے پر غم و اندوہ کے یہ تیر سہہ لیے۔

مکہ محمد ﷺ کے اس لوٹنے کو ضرور یاد کرے گا جس دن تقریباً نصف صدی کے بعد وہ رات کے وقت اپنے نئے دین کی حفاظت کی خاطر مکہ سے یثرب کی طرف آمادہ سفر ہوگا اور یار غار صدیق اکبر ساتھ ہونگے۔ جبکہ قریشی ان کے نشان قدم پر ان کو پکڑنے کی خاطر دوڑ رہے ہونگے۔

اسی طرح مکہ اس یتیم بچے کی واپسی کو یاد کرے گا جب وہ فتح کے سال واپس لوٹے گا اور ایک فاتح کی حیثیت سے شہر مقدس میں داخل ہو کر تمام بتوں کو پاش پاش کرے گا جو حرم شریف کے تقدس کو عرصہ سے پامال کر رہے تھے۔ اور بیت اللہ شریف کے چھت پر چڑھ کر کوئی کہہ رہا ہوگا۔

اللہ اکبر!

جزیرہ عرب کی اطراف میں یہ بلند آہنگ نعرہ گونجا اور صدیاں گزرنے کے بعد زمین کے بسنے والوں نے اس کے جواب میں لبیک کہا۔

ساتویں بحث

ہمیشہ رہنے والی خاتون

☆ یادوں کے دریچے

☆ خواب کی تعبیر

☆ آئینہ ایام میں ایک خوبصورت شخصیت کی حقیقی تصویر

یادوں کے دریچے

''یہ وہ جگہ ہے جہاں میری ماں نے مجھے اونٹنی سے اتارا تھا......
اس حویلی میں میرے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس ہے......''
(ہجرت کے بعد بنی عدی بن نجار کے گھر کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا)

اس جہان رنگ و بو میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اسی واقعہ کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ حتی کہ چونتیس سال کے طویل عرصہ بعد تاریخ نے آپ کے ذکر خیر کے ورق کو الٹ کر آپ کو کتاب خلود میں معزز ترین مقام عطا کیا۔ یہ مقام تھا ''ایک نبی کی ماں کا'' یہ وہی بچہ تھا جسے وہ یثرب اور ام القریٰ کے درمیان بیابان حجاز میں یکا و تنہا چھوڑ کر ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئی تھی اور اپنے بیٹے کو یتیم کر گئی تھی۔ جب آپ مردوں کی عمر کو پہنچے تو قدرت نے انہیں رسالت کے بلند منصب پر فائز کیا اور دنیا والوں میں ان کا انتخاب کیا تاکہ وہ دین قیم کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں۔ یہ وہ دین حنیف ہے جس کی شرق و غرب میں بسنے والی مختلف اقوام و ملل اور مختلف رنگ و نسل کے کروڑوں لوگ سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

وہ جس قدر اس دنیا میں رہیں اپنے عظیم بیٹے کی اس نہج پر پرداخت کی کہ جب بھی وہ یاد آتیں تو آپ ﷺ کا دل اپنی ماں کی محبت میں دھڑکنے لگتا اور ایسی رقت طاری ہوتی کہ غم تازہ ہو جاتا اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔

ماں کے بچھڑ جانے پر دادا نے کفالت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور اتنی محبت دی کہ ان کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی نہ دی ہوگی۔ عبدالمطلب انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے، غرضیکہ ایک لمحہ کیلئے انہیں اپنے سے جدا نہ کرتے۔

جب محمد ﷺ الگ اپنے بستر میں سوئے ہوتے تو عبدالمطلب چپکے سے کمرے میں داخل ہوتے اور جا کر دیکھ آتے۔ (۱)

واقدی کے حوالے سے ابن سعد ''طبقات'' میں لکھتے ہیں۔

''حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی خاطر کعبہ کے سائے میں بچھونا بچھایا جاتا ان کے بیٹے اس بچھونے کے اردگرد بیٹھ جاتے حتی کہ عبدالمطلب گھر سے باہر تشریف لاتے۔ بیٹوں میں سے کوئی بھی اس بچھونے پر نہ بیٹھتا کہ یہ والد گرامی کے احترام کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ بچے تھے۔ آتے اور اسی بچھونا پر بیٹھ جاتے۔ ان کے چچا کوشش کرتے کہ وہ اس پر نہ بیٹھیں لیکن عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر روک دیتے۔ میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ پھر انہیں اپنے پاس بٹھاتے اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے'' (۲)

دادا کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی کفالت حضرت ابوطالب نے کی۔ ''آپ حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے ایک لمحہ کیلئے اپنے سے جدا نہ کرتے۔ کھانے میں اپنے ساتھ بٹھاتے۔ حتی کہ آپ کے بیٹے جب دوپہر یا رات کا کھانا کھانے لگتے تو آپ فرماتے: ٹھہر جاؤ میرے بیٹے کو آلینے دو'' (۳)

ان کی بیوی فاطمۃ بنت اسد بن ہاشم بھی حضور ﷺ پر بے حد مہربان تھیں پھر حضور کی بیوی سیدہ خدیجہ کو حضور سے جو تعلق خاطر تھا۔ اس کی تو مثال ہی نہیں لیکن ان محبتوں کے باوجود حضور ﷺ یتیمی کی تلخیوں کو نہ بھلا سکے۔ انہیں اپنی ماں کی بے پناہ محبت اور بے عدیل رفاقتیں ہمیشہ یاد رہیں۔ وہ اس ایک لمحہ کو دل سے نہ مٹا سکے جب ان کی والدہ مشفقہ ایک صحراء میں ان کے سامنے دم توڑ گئیں۔

ابن سعد ''طبقات'' میں بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس آتے ہوئے جب ابواء سے گزرے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے محمد کو اجازت مرحمت فرمادی ہے کہ وہ

---

(۱) السیرۃ الہشامیہ: ۱۷۸/۱
(۲) طبقات ابن سعد کے علاوہ عیون الاذ کو بھی دیکھیے: ۳۸/۱
(۳) النہایہ از ابن اثیر: ۳/۱۷۱۔ سیر حلبیہ: ۲/۱

اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کریں، آپ اپنی ماں کی قبر انور پر تشریف لے گئے۔ اس کی مٹی کو درست کیا اور روتے رہے۔ حضور کو روتا دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ آپ سے اس بارے پوچھا گیا تو فرمایا: مجھے ان کی شفقتیں یاد آ گئیں تو میں نے رو دیا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن گھر سے نکلے۔ ہم بھی ساتھ ہو لیے حتی کہ ہم قبرستان آئے۔ حضور نے ہمیں حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ ہم بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ مختلف قبروں سے گزر کر ایک قبر کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور دیر تک صاحب مزار سے باتیں کرتے رہے۔ پھر آپ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ہم سے نہ رہا گیا۔ حضور کو روتا دیکھ کر ہم بھی رو دیے۔ پھر آپ ہمارے پاس آئے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ کس چیز نے آپ کو یوں رلا دیا۔ کہ ہم بھی رو دیے اور جزع فزع کرنے لگے؟ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ کا ہاتھ پکڑا، پھر ہماری طرف اشارہ کیا۔ ہم حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا: کیا میرے رونے کی وجہ سے تم رونے لگے۔ ہم نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے دو یا تین بار یہ سوال کیا پھر فرمایا: جس قبر پر تم نے مجھے باتیں کرتے دیکھا وہ میری والدہ مرحومہ آمنہ بنت وھب کی قبر ہے۔ میں نے اپنے رب سے ان کے مزار مقدس کی زیارت کی اجازت طلب کی تو میرے رب نے اجازت دے دی۔(۲)

اس طرح دنیا نے دیکھا کہ آپ ہمیشہ اس دور دراز علاقہ کی طرف تشریف لاتے رہے جہاں آپ کی والدہ استراحت فرما تھیں اور مدت مدید گزرنے اور طویل مسافت کے باوجود آپ دل سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

قریش اس حقیقت سے واقف تھے۔ وہ آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے خلاف اعلان جنگ کر رہے تھے حتی کہ ہند بنت عتبہ جب مشرکین کے لشکر کے ساتھ مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے ابواء کے مقام سے گزری تو اس نے محسوس کیا کہ بطل

(۱) طبقات کبریٰ: ۱/۷۷ حصہ اول، نہایۃ الارب: ۱۶/۸۷۔

(۲) صحیح مسلم: ۱۱/۱۰۵، ۱۰۸، سنن ابوداؤد: ۲۰/۷۵، اخبار مکہ ازازرقی: ص ۴۳۳ الروض الانف: ۱/۱۹۴۔

اسلام کو سب سے زیادہ تکلیف ماں کی قبر کے کھودے جانے سے ہو گی۔ اس کے نزدیک قریش کے لیے عزیز ترین اور سب سے مہنگا دھن سیدہ آمنہ کی بوسیدہ ہڈیاں تھیں جو ابواء کے مقام پر مدفون تھیں۔ ہشام بن اسلمی سے روایت ہے کہ۔

''جب قریش اپنے بدر کے مقتولوں کا انتقام لینے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف بڑھ رہے تھے اور وہ ابواء کے مقام پر فروکش ہوئے تو ہند بنت عتبہ نے اپنے خاوند ابوسفیان بن حرب سے کہا: اگر تم محمد ﷺ کی ماں کی قبر جو ابواء میں ہے کھود کر اس کی لاش نکال لو تو جب جنگ میں تم میں سے کوئی جنگی قیدی بن گیا تو اس کے ایک عضو سے تم تمام انسانوں کا فدیہ ادا کر دوں گے'' (۱)

اس سے پہلے کہ ابوسفیان قریش سے اس بات کا تذکرہ کرتا ھند اس کا تصور کر کے کانپ گئی کہ جب اس بات کی محمد اور ان کے ساتھیوں کو خبر ملے گی تو ان کے غیض و غضب کی کیا حالت ہو گی۔ اس نے اپنے خاوند سے چیخ کر کہا نہیں۔ یہ دروازہ مت کھولیے۔

قریش ابواء سے آگے بڑھے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سیدہ آمنہ کی قبر کی بے حرمتی کرتا جسے یتیم بچے نے چالیس سال سے زیادہ عرصہ پہلے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد اب تک اسے نہیں بھولا تھا۔

بچپنے کے حالات بیتے ہوئے ایام کی تلخیاں۔ اپنی ماں کی رفاقت میں گزرے ہوئے وہ لمحے۔ یثرب کی طرف پہلا سفر۔ اپنے ننھال کے بچوں کے ساتھ کھیلنا یہ سب چیزیں آپ کو یاد تھیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ بھولے نہیں تھے۔ جب آپ ﷺ نے ہجرت کی تو ان ٹیلوں پر چکر لگاتے رہے جن کو نصف صدی پہلے دیکھا تھا جبکہ آپ تمام تفکرات سے آزاد بچپنے کی عمر میں تھے۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی عدی بن نجار کے محلے کو دیکھ کر فرمایا تھا ''یہاں میری ماں میرے ساتھ اتری تھیں...... اور اس گھر میں میرے والد گرامی عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے''۔(۲)

(۱) تاریخ مکہ ازازرقی: ۱/۴۸۱، الحاوی از امام سیوطی ص ۲۳۳۔ ج ۲۔

(۲) طبقات کبریٰ: ۱/۷۷ حصہ اول۔ نہایۃ الارب: ۱۶/۸۷۔

بنی عدی کے قلعے کو دیکھ کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور فرمایا:

”میں اس قلعہ میں انیسہ نامی ایک انصاری بچی سے کھیلا کرتا تھا۔ میرے ننھال کے دوسرے بچے بھی ساتھ ہوتے۔ بنی عدی بن نجار کے تالاب میں، میں نے تیرنا سیکھا“۔

محمد ﷺ آج تک ان گزرے ایام کو نہیں بھولے تھے۔ جس طرح اس گھر کے در و دیوار کو نہیں بھولے جہاں آپ کی پیدائش ہوئی تھی۔ اگرچہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد اس مقدس مکان کے دروازے بند کر دیے گئے تھے اور اسے خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔

شاید حضور ﷺ عالم شباب میں جب کہ مکہ میں قیام پذیر تھے اس گھر سے بارہا گزرے ہوں گے اور در و دیوار سے پوچھا ہوگا: گردش ایام کے ہاتھوں تم پر کیا بیتی اور انہیں وہ لمحے ضرور یاد آئے ہونگے جب ان کی ماں اس گھر میں رہائش پذیر تھیں۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضور ﷺ نے مکہ کو خیر باد کہا حالانکہ یہ شہر آپ کی جائے پیدائش تھا اور اس کی مقدس زمین سے آپ عشق کرتے تھے۔ جب مکہ فتح ہوا اور آپ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ اب وہ گھر آپ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب کے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے ناپسند کیا کہ وہ گھر ان سے واپس لیں جس طرح کہ مہاجرین کے حق میں بھی اس چیز کو ناپسند کیا کہ جو مال و متاع وہ راہ خدا میں قربان کر چکے ہیں اسے دوبارہ لیں۔(۱)

یہ گھر عقیل اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کے پاس رہا حتی کہ اسے محمد بن یوسف نے خرید لیا اور اپنے گھر میں داخل کر لیا جسے بیضاء (White House) کہا کرتے تھے۔ یہ گھر انہیں کے پاس رہا حتی کہ اسے خیزران خلیفہ موسیٰ اور خلیفہ ہارون کی ماں نے خریدا اور اسے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ خیزران نے اس کا دروازہ ایک گلی کی طرف کھولا جسے ”زقاق المولد“ (کوچہ میلاد) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس مبارک کوچہ کے رہنے والے جب یہاں سے نکلنے کے بعد کہا کرتے تھے ”بخدا ہمیں کبھی کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا حتی کہ جب ہمیں اس گلی سے نکالا گیا تو ہم پر زمانہ سخت ہو گیا۔

خواب جو کبھی بھلایا نہ جا سکا

”میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ دیر تک کھڑا رہوں۔
لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں
کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس کی ماں کو مشکل میں ڈال دوں“۔
(حدیث شریف)

ابھی اس کا اکلوتا بیٹا پورے سات سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ زمین کی آغوش میں چلی گئی۔ اس کے بعد دنیا نے دیکھا کہ وہ بچہ ایک خوشگوار گھریلو زندگی بسر کر رہا ہے۔ جس طرح کہ دنیا نے اس کے بعد اسے نبوت کے لیے منتخب ہوتے اور بت پرستی، شرک و گمراہی کے خلاف تاریخی کامیاب معرکوں میں گھستے دیکھا۔

زندگی بھر بچہ اپنی ماں کے پیارے خواب کو تعبیر بخشتا رہا جہاں بھی گیا اور جس جگہ پڑاؤ کیا ماں کی یاد اس کے ساتھ رہی۔ اور اس کے اندر نیکی اور رحمت کے بہت گہرے جذبات کو ابھارتی رہی۔ اس بچے کی نظر میں ماں کو وہ بلند ترین مقام حاصل تھا جس سے بلند تر مقام کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

کبھی وہ اپنی ماں کو اپنی دایہ ثوبیہ کی صورت میں دیکھتے جو ابولہب کی لونڈی تھی۔ جب تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں رہے ان کی دل جوئی کرتے رہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ان کا پورا خیال رکھتیں۔ جب آپ ﷺ نے ہجرت کی تو مدینہ طیبہ سے کپڑے اور دوسری چیزیں بھیجتے رہے حضور ﷺ خیبر کی جنگ سے واپس آئے تو آپ کو ان کی وفات کی خبر دی گئی جسے سن کر آپ بہت غمگین ہوئے۔ پھر جب آپ ﷺ فتح و نصرت کا جھنڈا لہراتے مکہ میں داخل ہوئے تو فتح کی خوشی میں سب کچھ بھول نہیں گئے بلکہ اپنے عزیزوں کو یاد رکھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا ثوبیہ کا بیٹا مسروح کہاں ہے؟ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ اپنی ماں سے پہلے فوت ہو گیا ہے اور اب ان کا یہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔(۱)

(۱) الروض الانف: ۹/۲، نہایۃ الارب: ۸۱/۱۶

"ام ایمن"، حبشی عورت جس نے آپ کو گودی لیا جو یثرب کے سفر میں آپ کے اور آپ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ تھی اور جس کی آنکھوں کے سامنے سیدہ آمنہ نے ابواء میں اپنے بچے کو الوداع کہا تھا اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ہمیشہ بہت اچھا سلوک کیا۔ ان کی پوری پوری خاطر داری فرمائی۔ جب بھی ام ایمن پر نظر پڑتی تو حضور ﷺ کو وہ سفر یاد آجاتا اور آپ کا دل بھر آتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"امی جان کی وفات کے بعد یہ میری ماں ہیں"۔

اپنی رضائی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کا نیک برتاؤ اس بات کا مظہر تھا کہ آپ کے کریم دل میں ماں کی کیا حیثیت تھی۔ خواہ وہ ماں کسی بھی روپ میں ہو۔ سیرت نگار ابوطفیل عامر بن واثلہ کنانی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "میں نے نبی کریم ﷺ کو جعرانہ میں گوشت تقسیم کرتے دیکھا۔ میں ان دنوں بچہ تھا اور گوشت اٹھائے ہوئے تھا۔ اسی اثنا میں ایک عورت آئی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس چلی گئی۔ آپ ﷺ نے اس کی خاطر اپنی چادر مبارک بچھائی اور وہ عورت اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا۔ یہ آپ کی رضائی ماں ہیں؟ (۱)

۹ھ کو رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ طائف سے کامیاب واپس لوٹے اور آپ ﷺ کے ساتھ بنوھوازن کے چھ ہزار بچے اور عورتیں قیدی تھے۔ اس کے علاوہ بے شمار اونٹ اور بکریاں بھی تھیں تو بنوہوازن کے کچھ مسلمان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ قیدیوں میں آپ کی رضائی چچیاں، خالائیں اور گود میں لینے والیاں بھی ہیں" حلیمہ سعدیہ کا تعلق بنوسعد بن بکر سے تھا جو ھوازن کی ایک شاخ تھی۔

ان لوگوں کی درماندگی نے آپ کے قلب اطہر پر بڑا اثر کیا۔ اور آپ نے ان لوگوں کے حق میں اپنی رضائی ماں کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے فرمایا:

جو کچھ میرے اور بنی عبدالمطلب کے پاس ہے وہ سب تمہارا ہے۔ جب میں ظہر کی نماز پڑھاؤں تو کھڑے ہو جانا اور کہنا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کا اور مسلمانوں کو

(۱) سنن [illegible] ۱۱۹۔

رسول اللہ ﷺ کا سفارشی بناتے ہیں کہ وہ ہمارے بیٹوں اور عورتوں کو رہا کر دیں۔ میں تمہارے بچوں اور عورتوں کو رہا کر دوں گا اور تمہارے لیے سفارش بھی کروں گا"۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو بنی ہوازن کے لوگ کھڑے ہو گئے اور اسی طرح کہا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو کچھ میرے اور بنی عبدالمطلب کے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔

مہاجروں نے کہا۔ جو مال ومتاع ہمارے پاس ہے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا ہے۔

انصار بولے:

جو ہمارے قبضے میں ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ قبائل قیدیوں کو رہا کرنے سے پس وپیش کر رہے ہیں جیسے تمیم اور فرازہ تو آپ نے فرمایا:

تم میں سے جو شخص اپنے قیدی مفت نہیں چھوڑنا چاہتا اسے ہر قیدی کے بدلے پہلی غنیمت سے جو ہمیں حاصل ہوگی چھ غلام دیے جائیں گے۔

لیکن انہوں نے بغیر معاوضہ کے بنوھوازن کے بچوں اور عورتوں کو واپس کر دیا۔ (۱)

کیونکہ ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کی رضائی پھوپھیاں اور خالائیں تھیں۔

حضور ﷺ نے اپنی ماں آمنہ رضی اللہ عنہا کو فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف کی شخصیت میں دیکھا۔ یہ وہ سعادت مند خاتون ہیں جنہوں نے بچپنے میں آپ کی خبر گیری کی۔ ابوطالب کی بیوی فاطمہ نے واقعی ماں کی وفات کے بعد ایک ماں کا کردار ادا کیا ابن سعد طبقات میں، ابن ہشام سیرت میں ابن عبدالبر استیعاب میں اور ابوالفرج اصبہانی مقاتل الطالبین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"جب علی بن ابی طالب کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی قمیص پہنائی اور ان کے ساتھ ان کی قبر میں لیٹے۔ صحابہ کرام

(۱) سیرت: ۱۳۱/۴

علیہم الرضوان نے عرض کیا: ہم نے آپ کو کسی اور کے ساتھ ایسی بھلائی کرتے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا ابو طالب کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ حسن سلوک کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس لیے انہیں اپنی قمیص پہنائی کہ انہیں جنت کی پوشاکیں پہنائی جائیں اور اس لیے قبر میں ان کے ساتھ لیٹا ہوں کہ ان پر یہ مرحلہ آسان ہو جائے''۔(۱)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرحومہ والدہ کا عکس اپنی محبت کرنے والی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا میں دیکھا۔ یہ وہ معزز خاتون ہیں جس کے ساتھ پچیس سال کی عمر سے رشتہ رفاقت شروع ہوا حضرت خدیجہ ہمیشہ آپ کی خدمت کرتی رہیں حتی کہ ہجرت سے تین سال قبل آپ کا وصال ہوا۔ ان کی موجودگی میں حضور ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہ کی۔ حضور ﷺ نے زندگی بھر ان کی رفاقت کو یاد رکھا۔ اور انہوں نے بھی اپنے خاوند کو محبت اور پیار کا وہ تحفہ دیا جس نے امومت کی محبت کی یاد کو تازہ کر دیا۔ اور رہ رہ کر حضور کو اپنی ماں کی شفقتیں یاد آنے لگیں جن کو انہوں نے ابواء میں الوداع کہا تھا۔

ہاں۔ زندگی کے ہر موڑ پر حضور ﷺ نے اپنی والدہ کو یاد رکھا۔

ماں کی محبت کا عکس پھر حضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں میں اس وقت دیکھا جب وہ بڑی عمر کو پہنچیں اور مائیں بن گئیں۔ الغرض ہر ماں میں آپ ﷺ نے محبت و پیار کا وہی رنگ دیکھا جو ان کی والدہ مرحومہ میں پایا جاتا تھا۔ سیرت طیبہ کی کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جہاں حضور ﷺ ان گہرے جذبوں سے متاثر ہوئے اور پھر تمثیل کے انداز میں اپنے صحابہ کرام کو اللہ کی بندوں سے محبت کو اجاگر کیا۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں کچھ قیدی آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ ایک عورت اپنے پستانوں سے دودھ نکال رہی تھی۔ اسی اثناء میں قیدیوں میں اسے اپنا بچہ مل گیا۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اسے دودھ پلایا۔ یہ منظر دیکھ کر سرور کائنات ﷺ نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا: کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینکے گی؟ صحابہ نے عرض کیا۔ نہیں۔ وہ حتی المقدور بچے کو آگ میں نہیں گرنے دے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ

(۱) مقاتل الطالبین از اصفہانی: ص ۸،۹ ط الحلبی۔ الاستیعاب: ۱۸۹۱/۴۔

اپنے بندوں پر زیادہ رحم کرنے والا ہے بنسبت اس رحم کے جو یہ عورت اپنے بچے کے بارے اپنے دل میں رکھتی ہے۔

بلاشبہ آپ ﷺ کا دل ماں کی یادوں سے آباد تھا۔ حتی کہ آپ ﷺ نے امومت کو بشریت سے بڑا مقام عطا کر دیا جنت کو اس کے قدموں میں رکھ دیا اور والدہ کی خدمت کو جہاد فی سبیل اللہ پر بھی ترجیح دی۔(۱) ایک صحابی جن کا نام معاویہ بن جاھمہ سلمی تھا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ وہ جہاد پر جانے کی اجازت لینا چاہتا تھا اور اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی کامیابی تھی جب اس نے اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کی ہاں۔ آپ نے حکم دیا کہ واپس جاؤ اور اپنی ماں کی خدمت کرو۔

حضرت معاویہ نے دوبارہ جہاد کیلئے نکلنے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ تمہاری ماں زندہ ہے اور پھر انہیں حکم دیا کہ واپس جا کر ماں کی خدمت بجالاؤ۔

تیسری بار اجازت طلب کرنے پر آپ ﷺ نے یہی سوال دہرایا کہ کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔ حضرت معاویہ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور نے فرمایا: تیرا ستیاناس ہو۔ اپنی ماں کے قدموں میں پڑا رہ جنت وہیں ہے۔ دوسری روایت میں ہے۔ اپنی ماں کے ساتھ لگا رہ جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔(۲)

انسانیت آج اور کل رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان سنتی رہے گی۔

''میں نماز پڑھنے کی غرض سے کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں دیر تک نماز میں رہوں۔ اسی اثنا میں کسی بچے کی رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ میرا طول قیام ماں پر شاق گزرے''(۳) اسی ایک واقعہ سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں امومت کے نازک جذبوں کا کس قدر احترام تھا کہ ماں کی ذرہ سی تکلیف سے بھی ان کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔

(۱) دیکھئے ''بدالوادلین علی الجہاد'' کا مقدمہ کتاب ''الجہاد'' میں جو اطراف کی کتاب مفتاح کنوز السنہ کا حصہ ہے۔ ص ۱۴۴، طبع ۱۹۳۴ء۔

(۲) ابن عبدالبر: الاستیعاب: ۱۴۱۳/۳ (معاویہ بن جاھمہ)　(۳) بخاری شریف۔

انسانیت کے لیے اس سے زیادہ فخر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ماں کی وساطت سے اسے وہ بلند ترین مقام حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

"اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پاتا اور میں عشاء کی نماز پڑھ رہا ہوتا۔ سورت فاتحہ پڑھ رہا ہوتا تو میری ماں مجھے آواز دیتی اے محمد! تو میں اس کی آواز پر ضرور لبیک کہتا۔(۱)

تتباهي بك العصور و تسمو
بك علياء بعدها علياء
فهنيئا به لامنة الفضل
الذى شرفت به حواء

(امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ)

"زمانوں کو تجھ پر فخر ہے اور انہوں نے تیری طفیل بلندیوں پر بلندیاں حاصل کیں سیدہ آمنہ کو اپنے لخت جگر کے وسیلہ سے جو شرف حاصل ہوا انہیں مبارک ہو۔ یہ وہ فضیلت ہے جس سے عورت کا مقام بلند ہوا"۔

فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد مصطفیٰ کریم علیہ التحیہ والثناء یثرب کی مٹی میں سو گئے جس طرح ان سے پہلے ان کے والد گرامی نے ابدی نیند کی چادر اوڑھ لی۔ ہر ذی روح نے اس فانی دنیا سے عالم بقا کو جانا ہے سو محمد کریم ﷺ بھی حریم قدس میں جا پہنچے۔

وما محمد الارسول . قدخلت من قبله الرسل۔

لیکن انسانیت کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے۔ آپ کے ماننے والے اپنے دلوں میں آپ کی محبت کا چراغ جلائے ہوئے ہیں اور رہتی دنیا تک انسانیت اس عظیم انسان اور رسول کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت پیش کرتی رہے گی جس کے نعرۂ تکبیر کی گونج آج بھی سماعتوں سے ٹکرا کر مردہ دلوں کو زندگی بخش رہی ہے۔ "حتی کہ روم کا بڑا بت نسر چیخ پڑا اور آخر کار مٹی میں لٹ پٹ ہو گیا۔ جبکہ عرب کے بدو جن کے پاؤں میں جوتا بھی نہیں تھا اور

(۱) بیہقی۔ شعب الایمان۔ اس کی سند میں لیس بن معاذ ہے جو بقول بیہقی ضعیف ہے سیوطی۔ الحاوی: ۲/۲۳۳۔

جو سردی اور گرمی کے موسم کے دو سفروں کے علاوہ جزیرۂ عرب سے نکلتے ہی نہیں تھے اس بت کو اپنے پاؤں سے روندنے لگے اور کسریٰ کے تخت اور شاہان و فراعین مصر کے تاج کے وارث بن گئے۔ پھر وہ مشرق کی طرف بڑھے اور اسلام کے پیغام کو چین کی دیواروں تک پہنچا دیا۔ مغرب کو گئے تو اس دین کو بحیر اٹلی کے ساحل تک لے گئے تا کہ ہسپانیہ میں ایک اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈالیں جو ان دنوں متعصب کیتھونک کر عیسائیوں کا قلعہ تھا۔ شمال کی طرف گھوڑوں کی باگیں موڑیں تو فیینا تک پہنچ گئے جو ایمپریل نمسا کا دارالحکومت ہے اور مسیحی یورپ کے قلب میں واقع ہے"

عقلیں اس انسان کی عظمت کے آگے حیران و ششدر ہیں جسے سیدہ آمنہ بنت وھب نے ایک مکمل انسان کی صورت میں جنا۔ وہ جو کھانا کھاتے تھے، بازاروں میں چلتے تھے۔ جنہوں نے یتیمی کی تلخیاں برداشت کیں جدائی کے غم سہے۔ دل میں محبت و پیار کی جوت جگائی۔ شادیاں کیں بچے ہوئے اور آخر دوسرے انسانوں کی طرح اس جہان فانی کو خیر باد کہا۔

اس عظیم انسان اور اللہ کے محبوب رسول ﷺ نے ساتویں صدی عیسوی سے تاریخ انسانیت کو وہ عزت اور وقار عطا کیا اور ایک ایسی عظیم مملکت اور خوبصورت معاشرے کی بنیاد ڈالی جس کی مثال بے آب و گیاہ جزیرہ نمائے عرب میں نہیں ملتی۔ عرب کے لوگ خانہ بدوش تھے۔ اونٹوں پر ایک ویرانے سے دوسرے ویرانے کا سفر کرتے۔ سال بھر خشک اور چٹیل پہاڑیوں میں گھومتے رہتے۔

کیتانی جو فاتیکان کے جوار میں پیدا ہوا اور وہیں پہ پلا بڑھا اور عرصہ تک بشب پطرس کی صحبت اٹھائی نے چودھویں صدی ہجری کے شروع میں صرف اس غرض سے بلاد عربیہ کا سفر کیا کہ دیکھے ایک یتیم گڈریے کے زندۂ جاوید ہونے کا راز کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اس کے ماننے والوں نے اس کو اس قدر ٹوٹ کر چاہا کہ تاریخ انگشت بدنداں رہ گئی۔

ایک دوسرا مستشرق قلم اٹھاتا ہے اور بڑے تحیر اور تعجب سے اس معجزے کا سراغ لگاتا ہے جس نے گوشت کے خشک ٹکڑے کھانے والی ایک عورت آمنہ قرشیہ کے بیٹے کو کمال بطالت عطا کی۔ جیسا کہ "کالائل" اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "باوجود اس کے

کہ وہ ایک نبی ہیں۔انبیاء عالم میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔تاریخ کی کامل روشنی میں پیدا ہوئے ہیں اور فصیح و بلیغ عربی کتاب ان کی رسالت پر واضح اور اٹل دلیل ہے لیکن اپنی بشریت پر مصر ہیں اور قدوسیت اور الوہیت جیسے اوصاف سے اپنے آپ کو متصف نہیں گردانتے جیسے ان سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے لوگوں کا عقیدہ رہا ہے۔''

بقول ''ھوچارٹ'' محمد ﷺ سے پہلے اور ان کے بعد دنیا کیا کسی ایسے شخص سے واقف ہے جس کی زندگی کا ایک ایک دن خواہ وہ جنگ و جدل سے تعلق رکھتا ہو یا امن و امان سے اس کے کروڑوں ماننے والوں کے لیے ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہو اور اس کی آج تک پورے ایمان و یقین سے پیروی ہو رہی ہو؟

ہرگز نہیں۔کوئی ایسا انسان نہیں جو انسانیت کے لیے کامل نمونہ بن سکے اور اس کے افعال کی پوری طرح تقلید کی جاسکتی ہو۔سوائے محمد بن عبداللہ ﷺ کے جسے آمنہ بنت وھب رضی اللہ عنہا نے نوع بشر کی دوسری ماؤں کی طرح ربیع الاول کی ایک صبح صادق کو بیت اللہ العتیق کے پڑوس میں جنم دیا۔پھر اپنے بیٹے کیلئے زندہ رہی حتی کہ وہ سات سال کی عمر کو پہنچا۔اس کے بعد انہیں ان کے والد گرامی کی قبر کی زیارت کیلئے یثرب لیکر گئی اور پھر مکہ واپس آتے ہوئے اسے تن تنہاء چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہوگئی۔

ساکن و صامت اس جسدِ پاک کو بہت دور صحراء حجاز میں دفن کرتے وقت ''برکت'' نہیں جانتی تھی کہ قافلہ اپنے پیچھے ایک ابدی یاد چھوڑے جا رہا ہے جو زمانے کو واپس کھینچ لائے گی اور فناء پر غالب آجائے گی۔

جب وہ اس بیابان میں اپنی سیدہ پر آنسوں بہا رہی تھی تو اسے اس بات کا احساس تک نہیں تھا کہ سیدہ آمنہ کے لعل پر ایمان لانے والے لوگ ایک دن اس مقدس قبر کی زیارت کریں گے اور ایک جن ان کی قبر پر ان کے خیال میں یوں مرثیہ خواں ہوگا۔(۱)

(۱) اس کو سہیلی نے الروض الانف میں روایت کیا ہے اور امام سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ ص ۲۲۲ میں نقل کیا ہے۔

نبکی الفتاۃ البرۃ الامینہ — ذات الجمال، العفۃ الرزینہ
زوجۃ عبداللہ والقرینہ — ام نبی اللہ ذی السکینہ
لو فودیت لفودیت ثمینہ — وللمنایا شفرۃ سنینہ
لاتبقین ظاعنا ولا ظعینہ — الاانت وقطعت وتینہ

''ہم ایک نیک اور امانت دار دوشیزہ کو رو رہے ہیں جو صاحب جمال، پاک دامن اور سنجیدہ تھی۔وہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دلہن اور (زندگی کی) ساتھی تھی۔اللہ کے نبی کی جن پر سکینہ کا نزول ہوتا تھا والدہ گرامی تھی۔اگر فدیہ دیکر اسے بچایا جاسکتا تو بڑا قیمتی فدیہ دینا ہوتا۔موت کی دھار بڑی تیزی ہوتی ہے۔یہ نہ کسی پالکی باندھنے والے کو چھوڑتی ہے اور نہ پالکی میں بیٹھنے والی کو۔یہ آتی ہے اور شہ رگ کاٹ دیتی ہے''۔

سیدہ آمنہ کو ابواء میں دفن کرنے والوں میں سے کوئی شخص یہ اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ لحد میں سونے والی یہ معزز خاتون زندۂ جاوید بن جائے گی اور اس کے بعد اس کا ذکر کبھی ختم نہیں ہوگا۔بلکہ اس کی تصویر پوری آب و تاب سے آنے والے زمانوں میں منتقل ہوگی اور عصور و دھور گزرنے کے باوجود اس کا نام لیا جاتا رہے گا۔

یہ دنیا ہر سال ربیع الاول شریف کی بابرکت رات میں محفل میلاد منانے والوں کے فلک شگاف نعروں کی گونج سنے گی اور اس سہانی گھڑی کی یاد کو تازہ کرے گی جس میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا لال اس دنیا میں تشریف لایا۔

کیف ترقی رقیک الانبیاء — یا سماءً ماطاولتہا سماء
لم یساووک فی علاک وقد حا — ل سنی منک دونہم وسناء
انما مثلوا صفاتک للنا — س کما مثل النجوم للماء
نتباھی بک العصور وتسمو — بک علیاء بعدھا علیاء
فھنیئا بہ لآمنۃ الضفر — ل الذی شرفت بہ حواء
یوم نالت بوضعہ ابنۃ وھب — من فخار مالم تنلہ النساء(۱)

(۱) امام بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کے اشعار ہیں جو ان کے دیوان سے لیے گئے ہیں۔

’’تیرے کمال کو انبیاء علیہم السلام کیسے پا سکتے ہیں۔ اے وہ آسمان کہ جس کے فضل واحسان کا مقابلہ آسمان دنیا کے بس کا روگ نہیں انبیاء بلندی میں تیری برابری نہیں کر سکتے۔ تیرے اور ان کے درمیان کئی بلندیاں حائل ہیں۔ تیری صفات کو لوگوں کے سامنے بطور مثال بیان کیا جاتا ہے۔ تجھ پر زمانوں کو فخر ہے۔ اور تیرے طفیل عصو و دھور نے بلندیوں پر بلندیاں حاصل کی ہیں۔ آمنہ کو یہ فضیلت مبارک ہو جس نے حواء کو عزت بخشی ہے۔ وھب کی بیٹی نے اپنے بیٹے کی ولادت کی وجہ سے ان کی پیدائش کے دن وہ فخر پایا جسے باقی عورتیں حاصل نہیں کر سکیں۔

ماؤوں کی سردار اور خاتم الرسل والانبیاء محبوب خدا ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر سلام ہو۔